اکتوبر 2011ء

ذیقعد ۱۴۳۲ھ

محمد رسول اللہ

ماہنامہ المرشد

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب
کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
انہ قال من قعد مقعدا لم یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ و
من اضطجع مضجعا لا یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ

[illegible]

اسلام کی بقا ہماری حمایت کی محتاج نہیں، اس کی حفاظت خود اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے، اسلام
خطرے میں نہیں ہے، ہم اس کے بغیر خطرے میں ہیں۔

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

سلسلہ عالیہ

یہ برکات رب کریم نے کتنی پھیلائیں محمد رسول اللہ ﷺ نے کتنا دلوں کو خلوص بانٹا اور ختم نبوت سے کیا کیا نعمتیں وابستہ تھیں اور وہ کہاں کہاں، کیسے کیسے پہنچیں۔ علوم ظاہری کا سمندر تو ویسے ہی ٹھاٹھیں مارتا رہا اب تک مار رہا ہے اور انشاء اللہ قیام قیامت تک یہ سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہے گا مدرسے رہیں گے، اساتذہ رہیں گے، طالب علم رہیں گے، دین پڑھا پڑھایا، سیکھا سکھایا جاتا رہے گا دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی یہ حفاظت الہیہ کا حصہ ہے۔ ہاں یہ جو نعمت قلبی اور باطنی تھی اس کی تقسیم تبع تابعین پر آ کر رک گئی۔ کیوں؟ دراصل لوگوں میں وہ اہلیت اور وہ شعور نہ رہا کہ بندہ وہ برکات حاصل کر لیتا۔ جوں جوں زمانہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دور ہوتا گیا برکات کم پڑتی گئیں تو تبع تابعین کے بعد کے لوگوں میں وہ حوصلہ نہ رہا کہ ہر بندے کو یہ نعمت نصیب ہو تو پھر مخصوص لوگوں کو یہ کیفیات بانٹی گئیں لوگوں میں استعداد ہی نہ رہ گئی اب لوگ ان سے وابستہ رہتے تو، دعائیں کراتے، وظیفے پوچھتے تبع تابعین سے لے کر ہمارے زمانے تک بڑے نام ہیں کہ حیرت ہوتی ہے لیکن اللہ کی شان تبع تابعین سے لے کر ہمارے زمانے تک قاعدہ یہی بن گیا کہ کسی کے پاس لاکھوں مرید اگر آ گئے تو اس نے چار پانچ تسبیحات عطا فرمائیں قرآن حکیم پڑھنے کا مشورہ دیا، نوافل کا حکم دیا پھر ایسے ایسے ولی اللہ بھی ہوئے جو سلاسل کے شیخ بنے، مثلاً سلسلہ سہروردیہ کے شیخ شہاب الدین سہروردی" لیکن جب ان کے مجازین کو دیکھتے ہیں تو وہ صرف چار ہیں۔ یعنی چار بندوں کی تربیت فرمائی ایسا شیخ جو تصوف کی راہ میں قطب مینار بن کر کھڑا ہے اور ایک سلسلہ کا بانی ہے اسی طرح آپ قادریہ سلسلہ کو دیکھ لیں شیخ عبدالقادر جیلانی" جن کی بارگاہ سے سلاطین بھی جھاڑ کھا کر اٹھتے تھے ان کے مجازین بھی بہت کم تھے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ کی یہ فضیلت ہے کہ تبع تابعین کے بعد یہ پہلا موقع ہے اسلامی تاریخ میں کہ ہر آنے والے کا دل ذاکر ہو جاتا ہے، پوری تاریخ اسلامی میں پہلا موقع ہے، آپ پڑھ کر دیکھئے پوری تاریخ کو۔ ہر بزرگ کے پاس لاکھوں لوگ آئے انہیں نماز روزے کا کہا، زبانی وظائف تسبیحات بتائیں لیکن ذکر قلبی دو چار لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں بتایا ان دو چار نے آگے دو چار کو بتایا اس سے زیادہ کسی کو نہیں بتایا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ جس طرح عہد نبوی ﷺ میں ہر آنے والا صحابی رحمۃ اللہ علیہ عہد صحابہ میں ہر آنے والا تابعی عہد تابعین میں ہر آنے والا تبع تابعی اس طرح یہاں حضرت کی خدمت میں ہر آنے والا صوفی بنتا گیا۔

ماہنامہ المرشد

بانی حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اکتوبر 2011ء ذیقعد 1432ھ

جلد نمبر 33 | شمارہ نمبر 02

مدیر محمد اجمل

سرکولیشن مینجر: رانا جاوید احمد

قیمت فی شمارہ 25 روپے

PS/CPL#15

فہرست

ادار یہ	ابوالاحمدین	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
نفاذ اسلام کیسے؟	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	7
غزوۂ حنین	مولانا شبلی نعمان	20
مسائل السلوک	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	25
رسول کریم ﷺ کی ادبی عظمتیں	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	29
اکرم التفاسیر	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	32
استقامت حق کا ایک منظر		43
شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور ان کے جواب		47
Attention of Shaikh		53
Hayat-e-Javidan		56

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارویسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 0423-6314365 ناشر۔ عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔
Ph:042-35182727, Fax: 042-35180381, email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔
Ph: 0543-562200, Fax: 0543-562198, email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کررہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

تقویٰ کے اوصاف

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سب سے پہلی بات ایمان بالغیب ہے۔ کہ ایسے لوگ ان تمام باتوں پر جو حواس انسانی کی رسائی سے باہر ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے بتانے سے ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں۔ سب سے بڑا غیب خود ذات باری ہے جس کی قدرت اس کی تخلیق سے تو ہویدا ہے مگر جو نہ نظر آتا ہے نہ جس کی کوئی مثال بیان کی جاسکتی ہے پھر تمام حقائق اخرویہ دوزخ و جنت، عذاب وثواب، قبر، سوال و جواب قبر حشر ونشر، فرشتے، لوح محفوظ۔ غرض ہروہ شے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے مگر حواس انسانی مادی کے ادراک سے بالاتر ہے اُسے صدق دل سے مانتے ہیں اور یہ ماننا صرف اعتماد علی الرسول ﷺ پر منحصر ہے ورنہ کوئی حیلہ عقلی وہاں تک رسائی نہیں رکھتا۔

آج کے دور میں چونکہ اس اعتماد میں بہت کمی آگئی ہے، ایک طویل دور درمیان میں حائل ہے اور بقول دَخَلَ الزَّمَانُ بَیْنَنَا وَفَرَّقَ بَیْنَنَا۔ اِنَّ الزَّمَانَ مُفَرِّقُ الْاَحْبَابُ (زمانہ ہمارے درمیان در آیا اور ہمیں جدا کردیا بے شک زمانہ دوستوں کو جدا کرنے والا ہے) اس درازیٔ مدت، اور نئی روشنی کے اندھیروں نے آج کے مسلمان سے وہ درد چھین لیا ہے جو قرب نبویؐ سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور بغیر کسی عقلی دلیل کے سب سے بڑی دلیل پہ اعتبار کراتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمادینا سب سے بڑا ثبوت ہے اور بس۔ اس ساری حقیقت پر ایمان انسان کو مجبور کردیتا ہے کہ عملی زندگی کو اس روش پر ڈھالے جو قرب الٰہی کا سبب ہو۔ جس کا سب سے پہلا زینہ صلوٰۃ ہے۔

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یعنی صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں۔ اقامت صلوٰۃ، صرف نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ صلوٰۃ کا ایک خاص اہتمام کرنا ہے۔ وقت، جماعت، مسجد میں حاضری کا احساس ایک فکر جوارکان وضو سے لے کر ارکانِ صلوٰۃ تک کارفرما ہو اور پھر نہ صرف صلوٰۃ ادا کرتا ہو بلکہ حقیقتاً تو اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ جہاں جہاں سے گزرتا جائے وہاں کے لوگوں کو بھی صلوٰۃ کا عادی بناتا جائے تب لطف ہے نماز قائم کرنے کا۔ مگر یہ بادشاہ کا مقام نہیں تو کم از کم وقت پر اور درست طریقے سے اپنی صلوٰۃ ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔

اداریہ

ڈینگی بخار یا انذارِ الٰہی

پاکستان پر ابتلاؤں کا سلسلہ ہے کہ رکتا ہی نہیں۔ کبھی زلزلے' کبھی سیلاب' مون سون کا لا متناہی سلسلہ' خودکش دھماکے' موت کا خوف اور اب ڈینگی بخار۔ قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کی ایسی ہی ایک صورت حال کا تذکرہ ہے۔ ان کی سرکشی پر تنبیہ کی صورت ایک ابتلاء مسلط کر دی جاتی۔ طوفان' ٹڈیوں کی بھرمار' سسریاں' مینڈکوں کی کثرت' یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرتے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کریں۔ ایک ابتلاء ٹل جاتی تو پھر وہی حرکتیں' اس پر ایک اور ابتلاء۔ آخر میں ہر طرف خون ہی خون' پھر معافی کی درخواست اور اصلاح کا ایک اور موقع لیکن معافی ملنے پر اپنی حرکتوں سے باز نہ آتے۔ کچھ یہی حال ہماری قوم کا ہے بلکہ ہم بنی اسرائیل سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔ وہ ہر ابتلاء پر توبہ کا راستہ اختیار کرتے لیکن ہم مسلسل ابتلاؤں کے باوجود یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان سے نجات کا راستہ کیا ہے؟ رجوع الی اللہ اور استغفار تو دور کی بات ہے' ہر نئی ابتلاء کے ساتھ سرکشی کی ایک اور حد عبور کر لیتے ہیں۔ زلزلے ہوں یا سیلاب' بارشیں ہوں یا بیماریاں' اپنے جرائم میں اور بھی شیر ہو جاتے ہیں۔ جس قوم کا خون اور گوشت پوست حرام خوری سے پرورش پا رہا ہے' وہ اللہ کی طرف سے مسلسل انذار کے باوجود حرام خوری کی نئی راہیں تلاش کر لیتی ہے۔ مصیبت زدگان کی امداد خورد برد کر لی جاتی ہے' اس پر سیاست کی دکان بجتی ہے اور اپنے ہی لوگوں کو نوازا جاتا ہے۔ سیاسی وابستگیوں پر ہم وطنوں کی خونریزی کراچی کی تقدیر بن چکی ہے۔

ڈینگی بخار کی صورت اب ایک اور تنبیہ کہ ہم اللہ کی طرف رجوع کریں' اپنے گناہوں پر استغفار کریں اور سرکشی کی روش سے باز آ جائیں لیکن یہاں تو ہوس دولت کی آگ مزید بھڑک اٹھتی ہے۔ Platlet لگانے کی ضرورت نہیں لیکن زراندوزی کی دوڑ میں دس' پندرہ ہزار سے پچیس ہزار تک لگائے جا رہے ہیں۔ بار بار انذارِ الٰہی کے باوجود کیا اب بھی ہوس دولت میں کوئی کمی آئی ہے؟ کیا سود پر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے اعلانِ جنگ کے مقابل اسی طرح ڈٹے ہوئے ہیں؟ کیا فحاشی اور بے حیائی قدرے کم ہوئی ہے؟ اب تو ماں بیٹے اور سسر بہو کے مابین شرم وحیا اور عزت واحترام کی تمام قدریں مٹانے کے لئے مزاح کے نام پر طویل سیریز دکھائی جا رہی ہیں۔ اگر ابھی نہیں تو احساس گناہ کب بیدار ہوگا؟ دھیمے لہجے میں کبھی یہ آواز سنائی دیتی ہے' توبہ کرو' توبہ کرو۔ کیا زبان سے صرف توبہ توبہ کہتے رہو یا اس کی تسبیحات پڑھتے رہو؟

حضرت امیر المکرم فرماتے ہیں کہ صرف توبہ توبہ کہنا ہی کافی نہیں۔ سب سے پہلے قوم بحیثیت مجموعی اور ہر فرد اللہ کی نافرمانیوں پر نادم ہو' اللہ تعالیٰ سے عہد کرے کہ ہم آئندہ سرکشی سے باز آ جائیں گے' حرام خوری اور سود سے رک جائیں گے' بے حیائی اور فحاشی کا تدارک کریں گے' ہر اس کام سے رک جائیں گے جو تیری ناراضگی کا موجب بنے اور ہر وہ کام کریں گے جس میں تیری اور تیرے حبیب پاک ﷺ کی رضا ہو' اب تک جو کچھ ہوا اس پر معافی کے طلبگار ہیں اور آئندہ تیری نافرمانی سے بچنے کے لئے تجھ ہی سے توفیق طلب کرتے ہیں۔ توبہ کی یہ صورت جسے قرآن توبۃ النصوح کہتا ہے' ہماری قومی بقا اور آئندہ نسلوں کی تحفظ کے لئے وقت کی ضرورت بن چکی ہے۔ جب ہم خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور تائب ہوں گے تو حالات بدلتے ہوئے دیر نہ لگے گی۔ انشاء اللہ!

ابوالاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِسفر	نشانِ منزل
کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
متاعِ فقیر	آس جزیرہ
دیدہ تر	

اس بارے میں ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں:

''اپنی آسودگی کے لئے وہ ذکر کرتے ہیں فکر کرتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں یہ ان کے فرصت کے لمحوں کی فراست ہے۔ فراغتوں کو فروغ دینے کیلئے یہ مشغلہ انہوں نے اختیار کیا ہے شاید وہ ریلیکس ہونا چاہتے ہیں تو شعر کہتے ہیں لوگ اس کام کے لئے تفریح کے کیا کیا سامان ڈھونڈتے ہیں مگر ملک صاحب کی تفریح بھی ترفع سے خالی نہیں ان کی شاعری ان کے اعلیٰ وارفع معمولات کا ایک ہلکا پھلکا روپ ہے ان کی شاعری کے علاوہ بھی کچھ ہے اس شاعری سے کچھ لینے کے لئے حضرت اکرم صاحب کے پاس کچھ دیر بیٹھنا بہت ضروری ہے پھر پڑھنے والوں کو ایک اور ہی لطف آئے گا۔''

ہم بہک جاتے جنوں میں کیا خبر
آپ نے روکا ہمیں اچھا کیا

داستانِ شب تھی لب تک آگئی
آپ نے ٹوکا ہمیں اچھا کیا

کون کس کو یاد رکھتا ہے یہاں
آپ نے سوچا ہمیں اچھا کیا

ڈوب جاتے جھیل سی آنکھوں میں ہم
جس نے بھی روکا ہمیں اچھا کیا

کیوں کیا اِک بے وفا پر اعتبار
جو دیا دھوکا ہمیں اچھا کیا

دردِ دل ہے جان و دِل سے بھی عزیز
تو نے یہ سونپا ہمیں اچھا کیا

چوم کر رخسار اشکوں نے کہا
ہاں نہیں روکا ہمیں اچھا کیا

دو جہاں سیماب نے لٹوا دیے
کوئی تو کہہ دو ہمیں اچھا کیا

''کون سی ایسی بات ہوئی ہے'' سے اقتباس

اقوالِ شیخ

☆ ظلم کا بدلہ ظلم سے دیا جائے تو ظلم چلتا رہتا ہے اس لئے ظلم کا بدلہ عدل کرنا ہے اور عدل بطور سزا نہیں ہوتا۔

☆ عدل زندگی کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔ جہاں سے عدل اٹھ جاتا ہے وہاں دہشت گردی ہوتی ہے۔

☆ گناہ کرنے کا سبب اس حس کا ختم ہو جانا ہے جس کے سبب گناہ کی سڑاند آتی ہے اور نیکی کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

☆ تبلیغ دین سے کسی اور کو فائدہ ہو نہ ہو خود کو توفیق عمل نصیب ہو جاتی ہے۔ بندہ حیاء کرنے لگتا ہے کہ دوسروں کو جو کہتا ہوں خود اس میں سستی کیوں کرتا ہوں!

☆ زبان سے دہراتے رہنا کہ اللہ ایک ہے، اللہ خالق ہے، اللہ مالک ہے اور عملی زندگی میں احکام الٰہی کی مخالفت کرتے جانا ابلیسی طریقہ ہے۔

☆ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ زبان سے بھی عظمت الٰہی کا اقرار ہو اور کردار سے بھی اس کا اظہار ہو۔

☆ طریقہ یہی ہے۔ عقائد کو صاف ستھرا رکھیں۔ اعمال حضور ﷺ کی سنت کے تابع کریں۔ غلطی ہو جائے تو فوراً رجوع الی اللہ کریں۔ اللہ کریم سے معافی مانگیں اصلاح احوال کریں۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

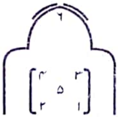

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

نفاذ اسلام! کیسے؟

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ

(سورہ توبہ:33)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔

اس آیہ کریمہ میں رب جلیل نے اپنی معرفت کا در کھول دیا ہے یوں تو سارا قرآن شروع سے آخر تک اسی بات کی وضاحت کرتا ہے بلکہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس کی تصدیق اسلام میں داخل کرتی ہے وہی ساری بات واضح کر دیتا ہے۔ لیکن آج جس دور میں ہم جی رہے ہیں اسکے اپنے مسائل ہیں اور بالکل نئے مسائل ہیں پچھلے ادوار میں اسلام تھا یا کفر لوگ مانتے تھے یا نہیں مانتے تھے۔ اب زمانے کی اور ذرائع و وسائل کی تبدیلی نے بہت سی جدتیں پیدا کر دی ہیں اور جس دور میں ہم جی رہے ہیں اس میں ایک نیا طبقہ وجود میں آ گیا ہے جس کی سوچ یہ ہے کہ مذہب بجا، عبادات درست، دین صحیح لیکن معیشت، معاشرت اور دنیا کے ساتھ مل کر جینے کا جو طریقہ ہے وہ ویسا ہونا چاہیئے جیسا باقی ساری دنیا کا ہے اگر ایسا نہ ہو تو ہم ساری دنیا سے کٹ جائیں گے۔ اس بات کی ترویج میں میڈیا اپنی پوری کوشش صرف کر رہا ہے۔ نام نہاد دانشور روز اس آگ میں مزید ایندھن ڈالتے ہیں ٹی وی، ریڈیو، اخبار، جرائد، مناظرے، مباحثے سب نوجوان نسل کو یہ باور کروار ہے ہیں کہ دین عبادات کا مجموعہ ہے۔ نمازیں، تلاوت، نوافل، عمرہ سب درست باقی ہر آدمی کی جو زندگی بازار میں، کاروبار میں، دفتر میں بلکہ جہاں بھی اس کا واسطہ لوگوں کے ساتھ ہے اس میں اُسے اقوام عالم کے ساتھ چلنا ہے ورنہ دنیا سے کٹ جانے کا خطرہ ہے۔ یوں معاشرت کو تہذیب یا کلچر کا نام دے کر سمجھایا گیا کہ کلچر اور دین الگ ہو تو بڑی آسانی سے دونوں پر عمل ہو سکتا ہے۔

ایسے اعتراضات یا اس طرح کی باتیں کیوں ایجاد ہوتی ہیں؟ اس لئے کہ حق کے ساتھ باطل ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بو لہبی

لیکن قابل حیرت بات یہ ہے کہ ایسی باتوں کے نشر ہونے کے بعد کسی طرف سے اس کا رد نہیں آتا کوئی اسکے خلاف بات نہیں کہتا۔ اس کی وجہ تو معلوم نہیں کہ لوگ رد نہیں کرتے یا میڈیا لوگوں کی رائے کو اہمیت نہیں دیتا بہر حال آج اس بات کی وضاحت بے حد ضروری ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ نے کس مقصد کے لئے مبعوث کیا؟ اسلام ہے کیا؟ اور اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے؟ یہ آیہ کریمہ اس بات کا جواب دیتی ہے۔ رب جلیل نے اس آیہ کریمہ میں اپنی معرفت کا در کھول دیا ہے۔ اللہ کریم اپنی معرفت کیسے کرواتے ہیں کون ہے اللہ؟ هُوَ الَّذِىٓ اللہ وہ ہے اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ

جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اپنا تعارف کروا رہے ہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اللہ نے اپنی معرفت کا وہ دروازہ کھولا، بعثت عالی کی اتنی روشنی ہوئی کہ اس روشنی میں بندوں نے اپنے معبود برحق کو دیکھ لیا انسان اپنے مقصد تخلیق سے آشنا ہو گیا حدیث قدسی میں آتا ہے کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً میری ذات ایک پوشیدہ خزانے کی مانند تھی۔

تخلیق آدمؑ سے پہلے زمین پر جنات بھی بستے تھے کائنات میں تمام مخلوقات بھی تھیں زمین پر روئیدگی بھی تھی جانور بھی تھے پہاڑ وادیاں بھی تھیں لیکن ساری مخلوق حکم کی پابند تھی کسی مخلوق کو یہ استعداد نہیں دی گئی کہ وہ خیمہ الوہیت میں جھانکے اور کوئی میری ذات سے آشنا نہیں تھا فرشتے سراپا اطاعت تھے ذات باری کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت نہیں رکھتے تھے وہ یہ سوال نہیں کر سکتے تھے کہ اللہ کون ہے؟ اللہ کیسا ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ ہاں یہ جانتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور یہ حق ہے۔ شیاطین تھے، کہنا مانتے تھے یا نہیں مانتے تھے لیکن اس سوال کی ان میں استعداد نہیں تھی۔ سوال تو وہ کرتا ہے جس میں جاننے کی استعداد ہو پھر اسکے اندر سے طلب اٹھتی ہے پھر تلاش اور جستجو پیدا ہوتی ہے کہ ہے تو سہی لیکن کہاں ہے؟

اللہ نے فرمایا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ پھر میں نے پسند کیا مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی مجھے پہنچانے، مجھے جانے، مجھے سمجھے، کوئی تو ایسا بھی ہو جو میری ذات کا طالب ہو صرف میرا حکم ماننے والا ہی نہ ہو، میرا چاہنے والا بھی ہو جب میری معرفت اس پر عیاں ہوگی۔ مجھے پہچانے گا میں دیکھوں گا کہ وہ مجھ پر کس طرح فدا ہوتا ہے کس طرح مجھ پر نثار ہوتا ہے وہ کس طرح اپنا سب کچھ لٹاتا ہے۔ فَخَلَقْتُ الْخَلْق تو میں نے نوع انسان کو پیدا کر دیا۔

بنی نوع انسان کو جو استعداد معرفت الٰہی دی گئی اس کا مصدر انبیاء علیہم السلام ہیں جس طرح چراغ ہو اس میں بتی ہو اس میں تیل بھی ہو لیکن وہ روشنی نہیں دیتا جب تک اسے دیا سلائی نہ دکھائی جائے اللہ نے ہر پیدا ہونے والے بچے میں وہ چراغ رکھ دیا اس میں تیل اور بتی بھی ڈال دی لیکن روشنی کے لئے اسے نبیؑ کا محتاج کر دیا نور نبوت سے ہی وہ چراغ وہ دیا روشن ہوگا نبیؑ پر ایمان لائے گا تو معرفت توحید کا در کھلے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کُلُّ مَوْلُوْد' یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ہر پیدا ہونے والا فطری استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے ثُمَّ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْیُنَصِّرَانِہٖ اَوْیُمَجِّسَانِہٖ (صحیح بخاری) پھر جب وہ معاشرے کا حصہ بنتا ہے تو پہلے اسے والدین سے سابقہ پڑتا ہے جس ڈگر پر اسکے والدین اور اس کا معاشرہ ہوتا ہے اسی ڈگر پر اسے بھی چلا دیتے ہیں لیکن یہ فطری استعداد اس کے پاس ہمیشہ رہتی ہے جب بھی کوئی خوش نصیب درست فیصلہ کر لیتا ہے اور یہ بندھن توڑ کر نور نبوت تک پہنچتا ہے تو ہر پہنچنے والے کا سینہ روشن ہو جاتا ہے۔

اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اس زمانے کی تاریخ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ جس طرح کا ظلم و تعدی ہو رہا تھا تاریخ انسانی میں ایسا ظلم و جور نہ پہلے ملتا ہے نہ اسکے بعد ملتا ہے۔ گھر گھر میں ایک خدا بستا تھا۔ ہر طاقتور ہر کمزور کے لئے خدا تھا جسکی بلا چون و چراں اطاعت کی جاتی تھی صرف بتوں کی پوجا ہی نہیں ہوتی تھی بت تو بے زبان تھے لوگ اپنی مرضی سے جو چاہتے ان سے

منسوب کر دیتے لیکن جو زندہ بت تھے وہ اتنے تھے کہ شمار میں نہیں آتے۔ بربریت کا یہ عالم تھا کہ تفریح طبع کیلئے غرباء کو پکڑ کر بھوکے درندوں کے سامنے چھوڑ دیا جاتا۔ جانور زندہ انسان کو چیرتا پھاڑتا اور طبقہ اشرافیہ تالیاں پیٹ کر خوش ہوتا۔

جس معاشرے میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اس معاشرے کی ایک قبیح رسم تھی کہ بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے یہ اس معاشرے کی تصویر ہے۔لوگ اپنی بیٹیاں اس لئے زندہ دفن کرتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ جوان ہوگئیں تو وہ انہیں بھیڑیوں سے نہیں بچا سکے گا۔اس کے پاس وہ طاقت نہیں ہے کہ انسان نما جانوروں سے انہیں محفوظ رکھ سکے ورنہ اولاد انہیں بھی پیاری تھی انکی نور نظر تھی لیکن اس وقت کا معاشرہ ایسا تھا کہ کسی کی آبرو محفوظ نہ تھی اس معاشرے میں باب معرفت الٰہی کھلتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوتی ہے۔

بعثت رسول ﷺ کس طرح باب معرفت الٰہی ہے بعثت نبی کریم ﷺ کس طرح اللہ کو جاننے کا ذریعہ ہے یہ خصوصیت بیان کی گئی ان الفاظ میں بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِ۔ دو باتیں منتخب کر کے بیان کیں ایک ھُدٰی اور دوسری دِیْنِ الْحَقِ ۔عربی میں ھدیٰ کے معنی ہیں کسی بھی کام کے کرنے کا صحیح ترین طریقہ۔ کام کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں لیکن صحیح ترین طریقہ وہ ہوتا ہے جو باقی طریقوں کی نسبت آسان بھی ہو اور مختصر بھی۔یعنی ایک کمال تو بعثت عالی کا یہ ہے کہ زندگی کے ہر کام کا سلیقہ سکھا دیا۔ ہر کام میں انسان کی ذاتی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک کے سارے معاملات آ جاتے ہیں پھر انعام باری یہ ہے کہ یہی تمام کام جب حضور ﷺ کے انداز پر ہونگے تو یہ دین حق بھی ہوگا یعنی یہ کام دنیاوی ہی نہیں ہوگا بلکہ یہ سب اللہ کی عبادت شمار ہوگا اسے آپ تہذیب کا نام دیں یا معاشرت کہیں آپ اسے سیاست کا نام دیں، حکومت و اقتدار کہیں، آپ اس کا نام عدلیہ رکھ دیں، فوج رکھ دیں، سول سوسائٹی رکھ دیں، آپ اس کا نام ازدواجی تعلقات رکھ دیں، اس کا نام رشتے ناتے رکھ دیں، اس کا نام دوستیاں دشمنیاں، صلح جنگ رکھ دیں، اس کا نام آپ چرواہے کی زندگی اور بھیڑیں چرانا رکھ دیں، دکاندار کی زندگی یا کارخانہ دار کی بیوپاری زندگی رکھ دیں، آجر و مزدور کے تعلقات رکھ دیں غرض زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو اسکے کرنے کا طریقہ بتانا یہ منصب ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا اور یہی دین حق ہے۔

عبادات دین حق کا ایک حصہ ہیں نہایت اعلیٰ اور بے حد قیمتی حصہ لیکن نہایت مختصر۔ آپ اپنے دن بھر کے اوقات میں نماز و دیگر عبادات کو شمار کر لیں تو چوبیس گھنٹوں میں کتنا وقت عبادات پر خرچ ہوتا ہے۔ عبادات بندے اور رب العالمین کے درمیان بندے اور اسکے معبود برحق کے درمیان معاملہ ہے بندے پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اپنی عبادات کی نگہداشت کرے لیکن جب بندہ عبادت سے فارغ ہو کر میدان عمل میں جاتا ہے تو معاملہ آ جاتا ہے اس کے اور چھ کھرب انسانوں کے درمیان جب ہم گھر جاتے ہیں، محلے میں جاتے ہیں، ملازمت پر جاتے ہیں، دکان پہ جاتے ہیں تو ہمارا معاملہ چھ کھرب انسانوں کو متاثر کرتا ہے یہ اثر صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں رہتا یہ چرند، پرند، درختوں، جنگلوں، وادیوں، صحراؤں کو متاثر کرتا ہے ہمارا طرز عمل یا آسمان سے اترنے والی

رحمتوں کو دعوت دیتا ہے یا بلاؤں کو بلاتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ جنگل میں اگر چڑیا کے انڈے گیدڑ کھا جائے تو یہ کسی انسان کے برے عمل کا نتیجہ ہے۔ کسی بندے نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس کی ظلمت پھیلتی ہے تو درخت کھڑے کھڑے سوکھ جاتے ہیں زمین پر بجلیاں گرتی ہیں، ملکوں پر بم گرائے جاتے ہیں، سمندر ابل پڑتے ہیں، زلزلے آتے ہیں، سمندر خشکی پر چڑھ دوڑتا ہے۔ قرآن کریم اسی ضمن میں کہتا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (روم:41) لوگوں کے اعمال کے سبب خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے۔ اگر اس تعلق کو جو انسانوں کا دوسرے انسانوں کے ساتھ ہے اسکو دین سے الگ کرلیں تو دین کے پاس بچتا کیا ہے؟ پھر تو دین کا وہی حشر ہوگا جو یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے دین کے ساتھ کیا۔ پہلے تو دین کو کلیسا میں بند کیا کہ اس سے باہر دین کا کوئی اختیار نہیں ہماری سیاست بھی آزاد ہے، ہماری معاشرت بھی آزاد ہے پھر پوپ اور ربی کو بھی آرام سے بیٹھنے نہیں دیا پھر اسے کان سے پکڑ کر کہا اب شراب حلال کرو اس نے کردی پھر خنزیر کے حلال کرنے کا مطالبہ کیا وہ بھی پورا ہو گیا اور اب ہم جنس پرستی حلال کروالی۔

بنیادی بات ہی یہ ہے کہ جب دین سے معاشرت چھین لی گئی تو دین تو کلیسا میں محدود لوگوں کے پاس رہا یوں معاشرہ اور سوسائٹی ان محدود بندوں پر غالب آ گئی۔ سوسائٹی نے انہیں اپنی منشا کے احکام نوٹ کروائے انہیں dictate کروایا کہ اب یہ حکم بدلو اور اب یہ تبدیل کرو۔ یوں معبود برحق کا دین حق نہ معاشرے کے پاس رہا نہ کلیسا کے پاس رہا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ خدانخواستہ اسلام کا یہ حشر ہو کوئی ایسا مسلمان ہے یا مسلمان کہلانے کا مستحق ہے جو یہ کہتا ہے کہ معاشرت الگ کرلو اور دین کو مساجد میں بند کردو۔ لیکن یہ بات اسلام کے ساتھ نہیں ہوسکتی یہ آخری دین ہے اس وقت تک رہے گا جب تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہ بات یاد رکھیں، اسلام کی بقاء ہماری حمایت کی محتاج نہیں اسکی حفاظت اللہ نے خود اپنے ذمے لی ہے اللہ نے اسے قیام قیامت تک رکھنا ہے۔ اسلام خطرے میں نہیں ہے ہم اسکے بغیر خطرے میں ہیں۔ اس کے ہم محتاج ہیں اپنی بقاء کے لئے۔ لہٰذا اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ مولوی کو مفاد نہیں ملتا تو کہتا ہے اسلام خطرے میں ہے سیاستدان کو مفادات نہ ملیں تو وہ کہتا ہے پاکستان خطرے میں ہے۔ اسلام اس لئے خطرے میں نہیں ہے کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے اور پاکستان اس لئے خطرے میں نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا غزوۃ الہند برپا ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا مجھے الہند سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ آپ ﷺ نے الہند سے دین کی سلامتی کی ٹھنڈک محسوس فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی ہر بات حق ہے اس لئے پاکستان کو کوئی خطرہ نہیں پاکستان رہے گا تو غزوۃ الہند برپا ہوگا پاکستان ان شاء اللہ قائم رہے گا بڑھے گا پھیلے گا اور سارا برصغیر پاکستان کہلائے گا۔

سیرت پاک ﷺ کی اصطلاح میں غزوہ اس جہاد کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں جس جہاد میں آپ ﷺ نے خود شرکت نہ فرمائی اور کسی کو امیر مقرر فرمایا اسے سریہ کہتے ہیں۔ لاہور میں علماء کی ایک محفل میں کسی نے سوال کیا کہ حضور ﷺ نے الہند کے جہاد کو غزوہ فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ ایک محقق نے جواب دیا کہ جنگ کو

عربی میں عرف عام میں غزوہ کہہ دیا جاتا ہے یہ اس وقت کا رواج تھا آپ ﷺ نے اسے روا جاً غزوہ کہہ دیا۔

میں نے عرض کی رواج اس وقت تک رواج رہتا ہے جب اسے عام لوگ استعمال کرتے ہیں اگر وہی رواج نبیؐ اختیار کر لیں تو وہ دین بن جاتا ہے جب تک وہ عامۃ الناس کے عمل میں تھا رواج تھا جب وہ اللہ کا رسول ﷺ اختیار کر لے تو وہ شریعت بن جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا الہند کے جہاد کو غزوۃ الہند کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس جہاد میں شریک مجاہدین کو حضور ﷺ کی خاص توجہ نصیب ہو گی جیسی کہ ان مجاہدین کو نصیب تھی جب حضور ﷺ بنفس نفیس جہاد میں تشریف لے جاتے تھے۔

پاکستان رہے گا تو غزوۃ الہند بپا ہو گا لہٰذا نہ دین کو خطرہ ہے، نہ پاکستان کو خطرہ ہے، خطرہ اس کو ہے جو دین کو چھوڑ رہا ہے خطرہ اس کو ہے جو حفاظت الٰہیہ کے حصار سے نکل رہا ہے، خطرہ اس کو ہے جو بے دینی کی راہ اپنا رہا ہے، خطرہ اس کو ہے جو یہود و نصاریٰ کی پیروی کر رہا ہے، اس کے لئے خطرہ ہر لحہ ہر آن ہے خواہ وہ اسے محسوس کرے یا نہ کرے اگر کوئی شخص بیس سال آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھا رہے جب پھٹے گا بیس سال کی کسر نکل جائے گی۔ جو لوگ دین سے باہر جی رہے ہیں وہ آتش فشاں کے دہانے پر جی رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (آل عمران:103) لوگو! تمہارا نظریہ و کردار ایسا تھا کہ تم دوزخ کے کنارے پر پھرتے تھے میرے نبی ﷺ نے تمہیں اُچک لیا۔ آج بھی جو شخص دین سے باہر زندگی گذارتا ہے وہ دوزخ کے کنارے پر پھر رہا ہے ذرا پاؤں پھسلا ایک ہچکی موت کی آئی تو وہ جہنم میں جا گرا۔ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہچکی کا ہی فاصلہ ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ دین صرف چند رسومات کا نام نہیں دین اسلام پوری زندگی کو اسلام کے اندر لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسلام میں داخلے کا دروازہ لا سے شروع ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے تمام فلسفے اثبات سے شروع ہوتے ہیں کہتے ہیں یہ مانو اسلام کی بنیاد ہے پہلے انکار کرو کہو لا الہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسلام یہ نہیں کہ بہت سے بت سینے میں رکھ کر اوپر سبز کپڑا پہن لو، بتوں سے مکان بھر کر اوپر سبز غلاف چڑھا دو۔ اسلام یہ ہے کہ جو کچھ ہے سب پر لا کی لکیر کھینچ دو لا الہ کوئی نہیں لائق عبادت۔ کسی اور کے آگے سر نہیں جھکے گا، کسی چودھری کی بات نہیں مانی جائے گی، کسی کے حکم پر بلا چون و چراں عمل نہیں کیا جائے گا۔ جب کوئی نہیں رہا تو اب کہو الا اللّٰہ سوائے اللہ کے۔ یہ اسلام ہے۔ اب ماننے کا مزا آئے گا جب دل جھاڑ جھنکار سے خالی ہو جائیں گے۔ کلمہ اسلام اور اس کا تقاضا یہ معمولی آواز نہیں تھی۔ اسی لئے اس صادق و امین ہستی کے خلاف سارا معاشرہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ مکہ میں تو بے شمار مذاہب تھے ایک اسلام کا اضافہ ہو گیا تو کیا ہوا۔ ہوا یہ کہ مکہ میں دنیا کے بے شمار مذاہب تھے لیکن وہ اس اختلافِ طریقہ ہائے عبادت کے باوجود گذارا کر رہے تھے۔ گزارا کیسے ہو رہا تھا؟ گزارا ایسے ہو رہا تھا کہ جسے آپ تہذیب یا کلچر، سیاست و معاشرت و معیشت کہتے ہیں ان تمام امور میں وہ یک رنگ تھے۔ امور معاشرت میں سارے متفق تھے لین دین و کاروبار میں سب متفق تھے سب ہی سود کھاتے، شراب پیتے، فحاشی میں مبتلا رہتے تھے۔ احکام و مسائلِ زندگی، عدالتیں اور قوانین سب مل کر بناتے اور جرم و سزا کے فیصلے پر

بھی سارے متفق تھے۔ عبادات سب کی مختلف تھیں، بت پرستی بھی تھی مشرک بھی تھے۔ خدا کا انکار کرنے والے بھی تھے۔ اسلام آیا تو اس نے مطالبہ کیا کہ ذاتی معاملات سے قومی معاملات تک اگر حکم چلے گا تو صرف اللہ کا لا الہ الا اللہ کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے جس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے۔ کسی کی بات نہیں مانی جائے گی سوائے اللہ کے، کسی کے آگے نہیں جھکیں گے سوائے اللہ کے۔ اس اعلان کیساتھ بے شمار جابر، طاقتور، امیر، مطلق العنان سرداروں، ٹھیکیداروں پر ایک اللہ کی حکمرانی کی ضرب پڑی تو سب چلا اٹھے۔ قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ یہ اعلان تو اتنا انقلاب آفرین ہے کہ یہ جب ہماری سلطنت تک پہنچے گا تو ہم سے یہ حکمرانی، یہ محلات، یہ قصر سلطنت چھن جائے گا۔ حکم ہمارا نہیں رہے گا، حکم تو اللہ کا ہوگا۔

حضور ﷺ کو بیت اللہ سے بے حد محبت تھی یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کفر زوروں پر تھا۔ آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتے تھے اور کنجی بردار عثمان بن طلحہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے لئے دروازہ نہ کھولا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس دن کو یاد رکھو جب یہ کنجی میرے پاس ہوگی اور اختیار بھی میرے پاس ہوگا کہ جسے چاہوں دوں یعنی حالت یہ ہے کہ کفار کا اس قدر غلبہ ہے۔ مکے میں رہنا دشوار ہو رہا ہے ہجرت کی تیاریاں ہیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اسلامی ریاست موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب مکہ فتح ہوگا یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی جسے چاہوں گا دوں گا۔

یہ کرم پھر اُن کا کرم ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور بیت اللہ کی کنجی ہاتھ میں آ گئی تو پھر عثمان بن طلحہ کو بلایا بیت اللہ کی کنجی عطا کی اور فرمایا اب یہ ہمیشہ تیرے خاندان میں ہی رہے گی ان ﷺ کے کرم کی کیا انتہا ہے، ہمارے عقل و شعور سے یہ بالاتر ہے۔

اسلام نام ہے زندگی کے ہر کام کو حضور ﷺ کے طریقے کے تابع کر دینے کا۔ آج کا مسلمان جس بات کو سمجھنے سے انکاری ہے وہ بات آپ ﷺ کے زمانے کا کافر بھی جانتا تھا۔ بنو عامر ایک مضبوط قبیلہ تھا اس کا رئیس و سردار بحیرہ بن فرس صاحب فہم و فراست، دانشور اور مضبوط آدمی تھا جب لوگوں کی زبانی آپ ﷺ کی دعوت سنی تو اس نے اندازہ کر لیا کہ یہ اتنا انقلاب آفرین پیغام ہے کہ اگر یہ نوجوان میرا ساتھ دے تو میں سارے عرب پر اپنی ریاست قائم کرلوں گا۔ یعنی اس نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ یہ صرف عبادت نہیں یہ تو پوری زندگی کی بات ہے یہ تو ریاستی امور کی بات ہو رہی ہے کہ کسی کی مت مانو صرف اللہ کی مانو تو اس نے حضور ﷺ سے ملنے کا ارادہ کر لیا پھر وہ حضور ﷺ سے ملا آپ کے ارشادات عالیہ سنے بیٹھا رہا غور کرتا رہا کہنے لگا میرے ساتھ آپ ایک معاہدہ کریں کہ آپ ﷺ کے بعد ریاست و سلطنت بنو عامر کو مل جائے گی تو میں آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ ایک کافر و مشرک کو یہ بات سمجھ آ گئی تھی کہ لا الہ الا اللہ تمام بتوں کو پاش پاش کر کے اللہ کی حکومت قائم کر دے گا۔ وہ اس وقت سودے بازی کرنا چاہتا تھا اسے اسلام نصیب نہ ہوا لیکن اسکی سمجھ بوجھ کی داد دینا پڑتی ہے جو بات آج کا مسلمان نہیں سمجھ رہا وہ اس دور کا کافر سمجھ چکا تھا۔ ابو جہل کیوں لڑ رہا تھا جبکہ وہ جانتا تھا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ایک دن کسی نوعمر لڑکے نے کہا تم ابوالحکم کہلاتے ہو اور وادی کے

سردار ہو بے شمار لوگوں کو قتل کروا چکے ہو اور ایک بندے کے ہاتھوں اتنے تنگ ہو؟ کہنے لگا تمہارا خیال ہے کہ میں نے اس معاملے میں کوئی کمی چھوڑی ہے؟ لیکن ہم انہیں صلی اللہ علیہ وسلم مار نہیں سکتے اس نے حیران ہو کر پوچھا کیوں؟ کہنے لگا بیوقوف تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ اُن کی خود حفاظت کر رہا ہے۔ اُس نے کہا کیسی عجیب بات ہے کہ تم جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو پھر مانتے کیوں نہیں؟ کہنے لگا اگر مانا تو ہماری ریاست چلی جائے گی ماننا اس لئے نہیں ہوں کہ پھر ہمارے حکم بے اثر ہوں گے اور حکم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ ابو جہل بھی یہ فلسفہ سمجھتا تھا جسکو آج کا مسلمان سمجھنے سے انکار کر رہا ہے۔

اسلام چند اذانوں، چند نمازوں اور چند تسبیحات پڑھنے کا نام نہیں۔ اسلام نام ہے پوری زندگی کو اللہ کے حکم پر نچھاور کرنے، زندگی کے ایک ایک کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کر دینے کا اور یہ بات انصار مدینہ کو اس وقت سمجھ آ گئی جب وہ اہل مکہ سے چھپ کر عقبہ کی گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا پیغام اور میری دعوت سن لو اور سمجھ لو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سمجھ کر آئے ہیں ہم یہ جان کر آئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائیں گے تو سرخ اور سیاہ طوفانوں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہ انکے الفاظ تھے ہم اپنے جگر گوشے نچھاور کر دیں گے اور آپ کی حفاظت کا حق ادا کر دیں گے آپ مدینہ کو اپنے وجود عالی سے مدینہ منورہ بنا دیجئے۔ اور ایک گذارش ہے ہماری کہ جب ریاست اسلامی قائم ہو جائے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ یئے گا نہیں قیام مدینہ ہی میں رکھیئے گا۔ دیکھیئے کتنی دور رس نگاہ ہے اس حال میں ہیں کہ گھاٹی میں چھپ کر بیٹھے ہیں اور سارا منظر انکے سامنے ہے کہ یہ سرداریاں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی حکم اللہ کا چلے گا اور ریاست اسلامی قائم ہوگی۔ اس لئے کہ وہ لا الہ الا اللّٰہ کی دعوت کو سمجھ رہے تھے۔

آج اسلام کیوں نافذ نہیں ہوتا؟ ہم لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی دعوت کو سمجھ نہیں رہے۔ پیر صاحب کے پاس جاؤ، مولوی صاحب کے پاس جاؤ وہ وظیفہ بتا دیتا ہے یہ پڑھو زندگی آسان ہو جائے گی، جنت بھی مل جائے گی۔ جنت ملنا اور زندگی آسان ہونا کونسا اسلام ہے۔ کون ہے جو تقدیر باری پر اپنے وظیفوں سے اثر انداز ہو سکے۔ کون ہے جو اسکے لکھے کو مٹائے۔ ہم چاہیں یا نہ چاہیں اُن حالات سے ہمیں گذرنا پڑے گا جو اس نے ہمارے لئے طے کر دیئے ہیں۔ آزمائش صرف یہی ہے کہ تنگی آ جائے تو اُسے یاد کرتے ہیں یا نہیں اور فراخی جب عطا ہو تو اسکی اطاعت کرتے ہیں یا نہیں، نہ ہم تنگی کو ٹال سکتے ہیں نہ فراخی کو جو ہونا تھا ہو گیا ایک ایک دانہ رزق تقسیم ہو گیا، عمریں بٹ گئیں، یہ سارا کچھ طے کرنے کے بعد مجھے اور آپ کو پیدا کیا۔ اللہ کا ایک طے شدہ نظام ہے اور یہ سب کچھ آدمؑ کی تخلیق سے پہلے طے ہو چکا تھا۔ نہ کوئی وظیفہ اسے بدل سکتا ہے، نہ چلہ نہ پیر صاحب نہ مولوی صاحب، نہ دنیاوی حکمران نہ طاقتور سیاستدان اسے تبدیل کر سکتے ہیں۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ اللہ نے جو اختیار ہمیں دیا ہے اُسے استعمال کرتے ہوئے کونسا راستہ اختیار کرتے ہیں اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا شکر گذاری کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں یا کفر کا۔ جس طرف بھی جانا چاہتے ہیں اللہ اس طرف کے راستے کھول دیتا ہے، طاقت دیتا ہے، قوت دیتا ہے، فرصت اور مہلت دے دیتا ہے کہتا

ہے کرکے دیکھ لے آنا تجھے میرے ہی پاس ہے جب آئے گا تو حساب بھی میں نے ہی لینا ہے۔

جس کا رخ نیکی کے راستے کی طرف ہوا سے نیک لوگوں کی محفل میں نیک بندوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر کوئی نوے سال غلط راستے پر رہے اور نوے سال گذار کر اسے ندامت ہو جائے اور وہ اللہ سے معافی چاہے اُسے خیال آ جائے کہ اس نے زندگی ضائع کردی اللہ پاک ایک لمحے میں سارے فاصلے ختم کر دیتے ہیں اصلاح احوال کی توفیق نصیب کر دیتے ہیں۔ لیکن ہم اس فلاسفی کو سمجھ نہیں پا رہے ہم دو سجدے کر کے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں یہ سجدے تیرا میرا لین دین ہے میرا سارا حصہ تو ضائع کر گیا تو بھی میں معاف کردوں گا میری ذات کو میری عظمت کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جو معاملہ تیرا میری مخلوق کے ساتھ ہے وہ میں نہیں چھوڑوں گا وہ اُسی سے معاف کروانا۔ میرا اور آپ کا معاملہ جب دنیا کی ساری مخلوق کے ساتھ ہے زمین و آسمان کے ساتھ ہے سمندری اور فضائی مخلوق کے ساتھ ہے تمام انسانوں کے ساتھ ہے تو جب جو وہاں غلطی کرے گا اسکا اثر بھی وہاں تک جائے گا۔ فرمایا یوم حشر تلاش کرنا کہ میری گناہ کی نحوست کہاں تک پہنچی، کس کس کو ایذا ہوئی، کس ماں کا جگر گوشہ چھن گیا، کس غریب کا گھر جل گیا، کس شہر پر بجلی گری، وہ کہیں میں تو نہیں تھا پھر بخشوانا آسان نہیں رہے گا۔

معرفت حق ہی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو ہر کام کرنے کا ڈھنگ سکھا کر اُسی طریقے اور سلیقے کو دین برحق بنا دیا۔ یہی اسلام ہے اور یہی معبود برحق اپنے بندوں سے چاہتا ہے کہ اسکے بندے اس طرح اس کی عبادت کریں یہاں تک کہ اسکے لئے جان لٹا دیں اسے شہید کہتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں شہید کو مردہ مت کہو اس نے میری عظمت کی گواہی دینے کا حق ادا کر دیا کہ میری عظمت پر جان نچھاور کردی۔ موت ہار گئی یہ جیت گیا حالانکہ موت اس پر آئی اسکے جسم کے ٹکڑے ہوئے اسے دفن کیا گیا لیکن اللہ اُسے زندہ شمار کرتے ہیں کیونکہ اس نے جان لٹا کر اللہ کی توحید کی گواہی دی ہے تو پھر اس کا مقام کیا ہوگا جو بات کرنے میں احساس کرے کہ کہیں اس کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ کام کرنے میں جسے اللہ یہ درد دے کہ کہیں یہ اسکے خلاف تو نہیں جو حکومت و اقتدار اور اختیار کے وقت سوچے کہ کسی کی حق تلفی تو نہیں ہو رہی۔ یہ اصل عبادت ہے۔ اور جو عبادات مساجد میں کی جاتی ہیں وہ عملی زندگی میں اللہ کی اطاعت کے لئے قوت فراہم کرتی ہیں عبادت کا ثواب ملتا ہے لیکن ہمیں ثواب کے معنی نہیں سمجھائے گئے۔ مولوی صاحب سے پوچھو ثواب کیا ہے؟ کہتے ہیں یہ اجر ہے آخرت میں ملے گا۔ گویا مولوی صاحب کہہ رہے ہیں اللہ ادھاری مزدوری کرواتا ہے۔ اللہ ادھاری مزدوری نہیں کرواتا نقد اجر دیتا ہے وہ کہتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ہر صلوٰۃ بندے کو اللہ کی نافرمانی سے روک دیتی ہے۔ ہر سجدے کی نقد مزدوری اللہ کا قرب ہے ہر تسبیح ہر قیام ہر رکوع سب کی نقد مزدوری ملتی ہے۔ جب بھی کوئی اللہ کا نام لیتا ہے تو کسی گناہ میں غرق ہونے کی بجائے نیکی کی طرف چل پڑتا ہے یہی نقد مزدوری ہے۔ مولوی کے اس وعدے پہ نہ رہنا کہ مرنے کے بعد اس کا اجر ملے گا جس کو زندگی میں کچھ نہیں ملتا اُسے مرنے کے بعد بھی کچھ نہیں ملے گا اللہ محتاج نہیں ہے کہ ادھار کام کروائے، نقد دیتا ہے اور عام دیتا ہے ہر حالت میں دیتا ہے، ایک لمحے کا ذکر

زندگی سنوار دیتا ہے، نیک صحبت میں دل ایسے بدلتا ہے کہ آتا ہے تو کچھ اور ہوتا ہے جاتا ہے تو کچھ اور ہوتا ہے۔ الحمد للہ پچیس برس صرف کیے حضرت کی خدمت میں اور پچیس برس حضرت کے بعد ہونے کو آئے ہیں نہ حضرت نے کبھی کسی سے کہا کہ داڑھی رکھو یا لباس و حلیہ درست کرو نہ میں نے آج تک کہا ہے یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ میرے پاس یہ برکات نبوت اللہ کی امانت ہیں اللہ کے نبی ﷺ کی امانت ہیں ان پر ہر مسلمان کا حق ہے وہ گنہگار ہے یا نیک، داڑھی رکھتا ہے یا نہیں رکھتا، پتلون پہنتا ہے یا شلوار۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں یہ اس کا اور اس کے رب کا مسئلہ ہے۔ لیکن جب وہ اللہ کا نام دل سے لیتا ہے تو بندہ بدل جاتا ہے۔ ہم نے کبھی کسی سے نہیں کہا نہ پوچھا کہ تم بریلوی ہو، دیو بندی ہو، یہ تو دونوں مدرسے ہیں سو سال سے زیادہ پہلے بنے تھے جب یہ مدرسے نہیں تھے تو تب لوگ کیا تھے تب بھی تو مسلمان تھے۔ تو کسی مدرسے کو ایک مذہب بنا لیا جائے تو یہ زیادتی ہے۔ مکتبہ فکر تو ہوسکتا ہے مذہب نہیں ہوسکتا۔ مذہب تو سیدھا سادا ہے لا الہ الا اللہ یعنی جب گردنیں باطل خداؤں سے آزاد ہو جائیں تو محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے بغیر مزا ہی نہیں آتا۔

لیکن آج کا مسئلہ یہ ہے کہ تہذیب الگ کر دو اور دین الگ کر دو۔ لیکن یہ ممکن نہیں دین یا رہتا ہے یا نہیں رہتا درمیانی راستہ کوئی نہیں۔ کفر کے ساتھ اسلام کا کوئی سمجھوتہ نہیں۔ آدھا آدھا دین بھی چلتا رہے اور آدھا آدھا کفر بھی چلتا رہے یہی بات تو اہل مکہ نے حضرت ابو طالب سے کہی تھی کہ آپ کے بھتیجے جو چاہتے ہیں۔ ہم کرنے کو تیار ہیں۔ دولت چاہتے ہیں یا حسین عورت سے شادی کے خواہشمند ہیں، بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا کچھ اور ہم سب کچھ اُن کے قدموں میں ڈھیر کرنے کو تیار ہیں لیکن انہیں کہیں کہ لا الہ الا اللہ واپس لے لیں۔ باقی عبادات اپنی طرح سے کرتے رہیں نمازیں بھی پڑھتے پڑھائے صرف لا الہ الا اللہ درمیان سے نکال دیں۔ آپ ﷺ کو جب یہ بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمام پیشکشیں تو وہ ہیں جو یہ کر سکتے ہیں لیکن جو نہیں کر سکتے اُن میں سے بھی اگر یہ آسمان سے سورج اور چاند لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں تو بھی میں اپنا کام کر کے رہوں گا۔ وہ کونسا کام تھا؟ اللہ کے بندوں کا حاکم صرف اللہ ہے اور محمد رسول اللہ سے اللہ کے پسندیدہ طریقے حاصل کرنا۔ ہم سے اسلام کیوں نافذ نہیں ہو رہا اسکی وجہ یہی ہے کہ ہم نے سمجھوتے کر لیے ہیں مسجد کے اندر ہم مسلمان ہیں مسجد کے باہر ہم مسلمان نہیں ہوتے۔ نہ بازار میں نہ دفتر میں نہ حکومت و اقتدار میں نہ عدالت میں ہم کہیں بھی مسلمان نہیں ہوتے۔ جب مسجد جاتے ہیں پھر مسلمان ہو جاتے ہیں اس طرح اسلام نافذ نہیں ہوتا۔ جب کوئی برتن بھر جاتا ہے تو وہ چھلکتا ہے، چھلکتا ہے تو دوسروں کے حصے میں پانی آتا ہے ادھورے کو چھلکاتے رہیں تو شور ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان سے دل لبریز ہو جائے تو جو بات دل سے نکلتی ہے اگلے کو متاثر کرتی ہے۔ اپنے دل میں شک ہو تو وعظ کہتے رہو لوگ بھی سنتے رہتے ہیں مسجد سے نکلتے ہیں تو کہتے ہیں بڑی غضب کی تقریر تھی پوچھو کیا کہا؟ کہتے ہیں وہ تو یاد نہیں تقریر بہت اچھی تھی مولانا نے کمال کر دیا۔ ہمارے پشتون بھائی تو کہتے ہیں یعنی بڑا کافر مولوی تھا اگر پوچھو کہ مولوی نے کیا کہا؟ وہ تو میں بھول ہی گیا۔ اتنی تبلیغ، اتنی درس و تدریس، اتنے رسائل پھر نتیجہ کیا

ہے؟ نکلتا کچھ بھی نہیں۔ ہم لکڑی تراشنے کے لئے رندے چلائے جارہے ہیں لیکن لکڑی ویسی کی ویسی ہے اس لئے کہ لکڑی تراشنے کے اوزار میں لکڑی تراشنے والا پھل ہے ہی نہیں۔

صحابہ ؓ نے صحابیؓ بننے کے لئے کیا چلے کاٹے، وظیفے پڑھے، چالیس دن لگائے؟ کچھ بھی نہیں۔ یہی تیس پارے، یہی تیس روزے، یہی زکوٰۃ کا نصاب تھا۔ وہ صحابی اس طرح بن گئے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک نظر مبارک جس مسلمان پر پڑ گئی اس کے وجود کا ذرّہ ذرّہ اللہ کے طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ جو کسی نے کہا تھا کہ میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں۔ من سی پارہ دل می فروشم۔ بگفتا قیمتش کہا قیمت کیا لیتے ہو۔ گفتم نگا ہے۔ کہا ایک نگاہ میں نچھاور کردوں گا۔ کہنے لگا کبھی منہ مانگے دام بھی ملے ہیں۔ بگفتا کمترش۔ کچھ کم کر کے بتاؤ۔ گفتم کہ گاہے۔ میں نے کہا زندگی میں صرف ایک نظر ملے اسی پر نچھاور کردوں گا یہ نگاہِ مصطفیٰ ﷺ تھی جن کی ایک نگاہ پر زندگیاں نچھاور ہوگئیں اور قرآن نے گواہی دی ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کھال سے لیکر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ وجود ذاکر ہوگیا۔

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے انہیں کوئی سمجھاتا؟ معاشرت اور دین کا فرق اُن سے کوئی منوا سکا کہ دین اور ہے اور معاشرت اور ہے۔ وہ ایک عمر رسیدہ نسل درنسل غلاموں کے خاندان سے عمار بن یاسرؓ کی والدہ اور ان کا پورا کنبہ ابوجہل جن پر ظلم وتشدد کرتے کرتے تھک گیا۔ اُسے یہ فکر لاحق تھی کہ یہ نسلوں سے غلام لوگ بھی اگر میرے ظلم کے باوجود میری بات نہیں مانتے تو پھر کون مانے گا؟ انہیں ہر روز اتنا پیٹتا تھا کہ شام کو چاروں اہل خانہ میں سے کوئی ایک بھی اس قابل نہیں رہتا تھا کہ اُٹھ کر کسی کو پانی ہی پلا دے۔ کس بات پر تشدد کررہا تھا۔ ابھی تک نہ نماز فرض ہوئی تھی نہ روزے نہ تہجد نہ حلال وحرام کے احکام۔ جھگڑا کس بات کا تھا؟ اسی کلمے کا لا الہ الا اللّٰہ ۔ اتنی ضعیف خاتون کو بھی اس قدر تشدد کے باوجود اس کلمے سے نہ ہٹا سکا تو تنگ آ کر کہنے لگا اے خاتون! دل سے نہ مان زبان سے انکار کردے کچھ میرا بھرم رہ جائے گا۔ بے ساختہ اُن کا جواب تھا وہ ہے ہی ایک تو میں انکار کیا کروں۔ کس چیز نے یہ قوت ان میں بھر دی۔ ابھی نماز نہیں پڑھی فرض ہی نہیں ہوئی، تہجد نہیں پڑھی، روزے فرض نہیں ہوئے کہاں سے ملی یہ قوت؟ تو بات صرف ایک نظر کی ہے ایک نگاہ نبی ﷺ کی نصیب ہوئی تو رگ رگ میں ذرّے ذرّے میں اللہ کی توحید بھر گئی۔ فرماتی ہیں وہ ہے ہی اکیلا تو میں کچھ اور کیسے کہہ دوں۔ یہ اسلام کی پہلی شہید خاتون ہیں جن کو ابوجہل نے یہ سزا دی کہ دو جانور دونوں ٹانگوں سے باندھ کر دو مختلف سمتوں میں دوڑا دیئے۔ بدن کے دو ٹکڑے ہوگئے ہر ٹکڑا اللہ کی توحید کا گواہ بنا۔ آج اس کلمے پر عمل کیوں نہیں ہورہا؟ آج انقلاب اس لئے نہیں آرہا کہ ہم اپنے سامعین کو لا الہ کی پختگی نہیں دے رہے نہ سمجھاتے ہیں اور نہ یہ کہنے کی بات ہے یہ تو کرنے کی ہے۔ نبی ﷺ جب فرماتے ہیں لا الہ الا اللّٰہ تو ماننے والے کا ہر ذرۂ وجود مانتا ہے لا الہ الا اللّٰہ یہی فرق ہے نبی ﷺ صرف فلسفہ ہی نہیں دیتے feelings بھی دیتے ہیں محسوسات بھی دیتے ہیں۔ نبی ﷺ سجدہ کرنے کا حکم دیں تو دل اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہونے کو بے چین ہوجاتا ہے ایک صلوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دوسری صلوٰۃ کا منتظر رہتا ہے اور ہم آج اگر پڑھنے کو بھی آتے ہیں تو جان

چھڑا رہے ہوتے ہیں جلدی جلدی وضو کیا آدھے اعضاء گیلے آدھے سوکھے رہ گئے نماز اس قدر تیزی سے ادا ہوتی ہے کہ رکوع میں گئے تو واپس سیدھا کھڑے نہیں ہوئے سجدے میں گئے اٹھے تو پھر جلسے میں نہیں بیٹھے فوراً دوسرا سجدہ داغ دیا۔ یہی ہم ہیں کاشتکاری کے وقت ہل چلاتے ہیں بیلوں کے پیچھے یا ٹریکٹر کے ذریعے ایک ایک لکیر کی ترتیب درست رکھتے ہیں کہ اگر یہ ترتیب درست نہ رہی تو اس ٹکڑا زمین پر فصل نہیں ہوگی لیکن نماز کے وقت بس آئے بیٹھے ٹھونگیں ماریں اور چلے گئے کیوں؟ اس لئے کہ وہ محسوسات اور وہ درد جو حضرت سمیہؓ کے ہر رگ جاں میں تھا اس کی ہمیں ضرورت ہے ایسے افراد کی ضرورت ہے یہ کوئی حل نہیں کہ ڈنڈے لے کر کھڑے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام جس طرح پہلے زمانے میں غالب ہوا آخری زمانے میں بھی اُسی طرح غالب ہوگا۔ پہلے زمانے کا طریقہ کیا تھا؟ ہر کلمہ پڑھنے والا ایک سانچے میں ڈھل جاتا تھا اور اتنا پکا ڈھلتا تھا کہ اُسے کسی دوسرے سانچے میں ڈھالنا ممکن نہیں تھا۔ کسی آگ سے وہ پگھلتا نہیں تھا، کسی زور سے ٹوٹتا نہیں تھا۔ حضور ﷺ کے ایک صحابیؓ کو ایک مشرک نے شہید کر دیا ایک طویل واقعہ ہے اس کا ایک حصہ پیش کر رہا ہوں صحابیؓ نے وقتِ رخصت ایک جملہ کہا "ربِ کعبہ کی قسم میں جیت گیا" کعبہ کا کچھ احترام مشرکوں کے پاس بھی تھا اور یہ بھی وہ مانتے تھے کہ مرتے وقت کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ اُس مشرک کو صحابیؓ کا یہ قول اندر سے گھائل کر گیا۔ اتنا مجبور ہوا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں اس عقدے کو حل کروانے پہنچا۔ صحابہؓ نے دیکھتے ہی آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ اسے قتل کر دیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس آ رہا ہے آنے دو۔ اُس نے آ کر تفصیل بتائی کہ حضور ﷺ میں نے آپ کے صحابیؓ کو دنیا سے رخصت کیا میں نے اُسے، نیزہ مارا جو اسکی پشت توڑتا ہوا نکل گیا لیکن جاتے جاتے وہ یہ کہہ گیا کہ "رب کعبہ کی قسم میں جیت گیا" تو سوال یہ ہے کہ قتل تو وہ میرے ہاتھوں ہوا تو پھر وہ کیسے جیت گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس طرح جیت گیا کہ اُس نے زندگی بھی اللہ کے حکم پر بسر کی جان بھی اس نے اللہ کی راہ میں مقابلہ کرتے ہوئے ہار دی لیکن اس بات کو سمجھنے کے لئے لا الہ الا اللّٰہ کو ماننا پڑتا ہے اس نے کہا بے شک اب میری گردن مار دی جائے لیکن مجھے یہ لا الہ الا اللّٰہ کو سمجھنے دیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا جو اس کلمے کو قبول کر لے اسکی پناہ میں آ جائے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

یہ درد کہ بندہ جان دے کر بھی کہے میں ہارا کچھ نہیں جیتا ہوں یہ درد نہ پیر صاحب دے رہے ہیں نہ مولوی صاحب، نہ مبلغ نہ میں نہ آپ۔ ضرورت اسی بات کی ہے کہ جب ہم زبان سے کہیں لا الہ الا اللّٰہ تو زندگی کے ہر کام پر یہی اصول لاگو ہو۔ یہ کیا قدغن لگا دی گئی ہے کہ صرف سجدے اللہ کو کرنے ہیں اور دوسری ساری باتیں عملی زندگی میں دوسروں کی ماننی ہیں۔ یہ کونسا اسلام ہے کہ نماز میں سجدہ اللہ کو اور دل ہر فرعون کے سامنے بچھایا جا رہا ہے ہر نمرود کے سامنے دل سجدہ ریز ہے۔ سجدے کو جان چاہیے، روح چاہیے، اندر کی شئے چاہیے۔ جب ہم جانور اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہیں تو اللہ کو ہمارے جانوروں کا گوشت اور خون تو نہیں چاہیے۔ اس نے ہم سے لے کر فرشتوں کو تو نہیں بانٹنا وہ تو ہمارے دلوں کے اندر جھانکتا ہے وہاں کتنا جذبہ پیدا ہوا اپنی خواہشات کو قربان کرنے کا،

اپنی خواہشات کی گردن پر چھری چلانے کا۔ یعنی جانور کی قربانی تو ایک علامت ہے کہ انسان نے اپنی غلط خواہشات کو زیر کرنے کا حوصلہ اور قوت حاصل کر لی۔ اگر انسان اس کلمے کو اپنا لے دل و جان میں بسا لے اپنی روح کی گہرائی سے یقین حاصل کر لے تو یہی انسان جس کا وجود گوشت اور خون ہے جس کے وجود میں غلاظت ہے یہی انسان اس یقین کی بدولت فرشتے سے زیادہ مقرب بارگاہ الوہیت ہو جاتا ہے جب کلمہ لا الہ الا اللّٰہ اس کی ہر رگ میں چلا جاتا ہے تو یہ فرشتوں سے زیادہ عزت پاتا ہے حوریں اس کی راہ دیکھتی ہیں آسمان اس کی طرف دیکھتے ہیں یہ راستے کی منزل بن جاتا ہے۔ اور اگر بندے کے پاس سے یہ لا الہ نکل جائے تو اس کے پاس کیا بچے گا؟ پھر بے یقینی، شک، تذبذب، بے چینی، بدعملی، فساد، پھر وجود انسانی اس کلمے اور اس پر یقین کے بغیر حرام کی گٹھڑی ہوگا۔ اس آیۂ کریمہ کو سمجھنے والے حضور ﷺ کے مخالف تھے لیکن سمجھ وہ گئے تھے جس واقعے کو پہلے تفصیل سے بیان کیا ہے اسی واقعے میں اس کلمے کی حقانیت کا ثبوت ہے۔ جب بحیرہ نامی دانشور کو قریش نے حضور ﷺ کے پاس بھیجا تھا کہ تم سمجھدار ہو اور سارا عرب تمہارا احترام کرتا ہے سارے قبائل تمہاری عزت کرتے ہیں تم جا کر اپنی سمجھداری سے حضور ﷺ کو قائل کرو اس نے حضور ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ عرب سے ہیں قریش سے ہیں اپنی برادری کا خیال کریں اور جو دعوت آپ دے رہے ہیں وہ اہل مکہ کو قبول نہیں آپ کوئی درمیانی راہ نکال لیں۔ آپ ﷺ نے اسے قرآن کی آیات سنائیں سنتا رہا پھر خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا۔ سارے سردارانِ قریش منتظر تھے واپس آیا تو چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ کہنے لگا میری مانو تو اس ہستی کو اہل عرب پر چھوڑ دو اگر عربوں نے مغلوب کر لیا تو تمہارا کام خود بخود ہو جائے گا اور اگر یہ عربوں پر غالب آ گئے اور ان کی حکومت بن گئی تو یہ تو تمہارا اپنا فرزند ہے تم ویسے ہی اس کے رشتہ دار ہو تمہاری سرداری بھی جو خود بخود تمہیں مل جائے گی۔ بحیرہ کو اسلام قبول کرنا نصیب نہ ہوا لیکن قرآن کی آیات اور حضور ﷺ کی دعوت کو وہ اتنا سمجھ گیا تھا کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا مطلب اس پر واضح ہو گیا تھا وہ جان گیا تھا کہ یہ دعوت اللہ کی حکمرانی قائم کر دے گی۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مدینہ والوں کی شرط کے پیچھے بھی یہ یقین کی دولت تھی یہ سمجھ انہیں کلمے سے آ گئی تھی جب انہوں نے حضور ﷺ سے گذارش کی تھی کہ حضور ﷺ، دنیا تو آپ کے قدموں میں آ جائے گی تو آپ ہمیں چھوڑ کر کہیں اور تو نہیں چلے جائیں گے اور جزیرہ نمائے عرب میں جب ریاست اسلامی بن گئی تو بھی حضور ﷺ نے مدینہ کو نہیں چھوڑا اور پھر مدینہ منورہ کو قیامت تک کیلئے وہ سر بلندی عطا فرمائی کہ جو حج کر چکے اسے مدینہ منورہ حاضر ہونا پڑے۔ گنبد خضریٰ آج بھی مدینے کی زینت بنا ہوا ہے۔

اسلام یہ ہے کہ اللہ سے آشنائی ہو جائے ذکر بھی اس لئے کہ اللہ سے آشنائی حاصل ہو۔ آشنائی کا مطلب ہے اس کی مانے اور کسی کی نہ مانے۔ آج ہم میں یہ جذبہ آ جائے تو پھر نہ کسی تحریک کی ضرورت ہے نہ کوئی ڈنڈا چلانے کی ضرورت ہے۔ اور جب تک ہم اپنی ذات پر اسلام نافذ نہیں کرتے ہم پاکستان پر نفاذ اسلام کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ ہمارا وجود پاکستان کے وجود کا سولہ کروڑواں حصہ ہے اگر اسے اسلام کے حصار میں نہیں رکھ سکتے تو پاکستان پر اسلام کون نافذ کرے گا؟ کیا وہ کریں گے جو اسلام کے خلاف ہیں۔ یہ کام ایسے نہیں ہوگا میاں تھوڑے تھوڑے لوگوں کو حکومت کے ظلم کا نشانہ مت بنواؤ کفر کو یہ بہانہ مت دو کہ مدارس دہشت

گردی کرتے ہیں واقعی لوگوں کے ٹی وی توڑتے ہیں۔ ٹی وی میں کوئی خرابی نہیں انٹرنیٹ میں کوئی خرابی نہیں اسکے استعمال میں خرابی کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک ایجاد ہے اسکا مثبت استعمال حلال ہے جائز ہے اسکا غلط استعمال اس کے ذریعے بے حیائی پھیلانا حرام ہے۔ یہ ایجادات خود حرام نہیں ہیں۔ میرے پاس انٹرنیٹ اور کمپیوٹر ہے یہ خطاب، یہ اللہ کریم کی باتیں یہ اسی ایجاد کے ذریعے پوری دنیا میں جو چاہے سن سکتا ہے اور لوگ سن رہے ہیں اسی پر پروگرام Paltalk کے ذریعے صبح شام کا ذکر میں کرواتا ہوں اور روئے زمین پر جہاں جہاں یہ سہولت ہے اس پر لوگ میرے ساتھ ذکر میں شامل ہوتے ہیں اور یہ تاریخ تصوف میں پہلی بار ہورہا ہے کہ ایک مرکز پر ذکر ہوتو روئے زمین پر کوئی نہ کوئی اس میں شامل رہتا ہے۔ اگر آپ اسی کمپیوٹر کو لاٹھیاں مار کر توڑ دیں تو کیا حاصل ہوگا۔

شاید مولوی صاحبان کو یہ علم نہیں پہنچا کہ ٹی وی فحاشی پھیلانے میں بہت پیچھے رہ گیا ہے اصل فحاشی انٹرنیٹ پر ہے۔ نوجوان رات کو کمپیوٹر کے سامنے بیٹھتے ہیں اور صبح ہو جاتی ہے۔ دن سوتے ہیں، رات بے حیائی دیکھتے ہیں۔ یہ کمپیوٹر توڑنے سے ختم نہیں ہوگی۔ یہ دلوں کو اللہ کی آشنائی نصیب ہو کر ختم ہوگی کہ دین اسلام نہاں خانہ دل سے لے کر ہاتھ پاؤں اور آنکھوں تک کے کردار کو حاوی ہے۔ عدلیہ، انتظامیہ، کاروبار و تجارت، کاشتکاری و زمینداری، صلح و جنگ جب تک سارے پر اسلام نافذ نہیں ہوگا بات نہیں بنے گی۔ اللہ نے قرآن پاک میں اسی لئے فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔ اسے ایمان والوں کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اسے پتہ تھا وہ جانتا تھا کہ کسی زمانے کے ایمان والے ایسے بھی ہونگے کہ سجدہ تو مجھے کریں گے اور باہر کی زندگی میں آزاد ہوں گے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں یہ ادھورا اسلام قبول نہیں۔ کچھ اسلام کے اندر چلا گیا اور کچھ حصہ باہر رہ گیا۔ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کلی طور پر اپنی سوچیں، اپنا اختیار اور اپنی پسند و ناپسند اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے رکھ دے کہ میرا جو کچھ تھا وہ ختم اب وہ ہوگا جو آپ ﷺ ارشاد فرمائیں گے۔ نفاذ اسلام کی یہی بنیاد ہے اور یہی طریقہ اور یاد رکھو! عبادت ہو یا مزدوری کوئی بھی کام ہو جو حدِ اسلام سے باہر ہوگا وہ شیطان کی پیروی میں ہوگا تو مسلمان ہو کر شیطان کی پیروی! چہ معنی! اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اسلام کی مکمل طور پر پیروی کریں۔

دعائے مغفرت

۱۔ لاہور سے سلسلہ کے ساتھی ڈاکٹر سکندر کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔

۲۔ حاجی محمد ارشاد ٹھٹھہ کھراں ضلع چنیوٹ سے سلسلہ کے ساتھی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

۳۔ دولت نگر گجرات کے ساتھی صلاح الدین کی زوجہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔

۴۔ فیصل آباد کے ساتھی محمد نواز کی زوجہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔

ساتھیوں سے دعا کی درخواست ہے۔

غزوۂ حنین

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل ہے، یہ اس کے دامن میں ہے، اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں۔ ہوازن ایک بڑے قبیلے کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں۔

اسلام کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے ان کا خیال تھا کہ محمد ﷺ اگر قریش پر غالب آ گئے اور مکہ فتح ہو گیا تو بلاشبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا۔ یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطرب ہوتے تھے کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے اس بنا پر فتح مکہ کے بعد ہوازن اور ثقیف کے رؤساء نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور آپس میں قرارداد ہو گئی کہ مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں ایک عام حملہ کر دیا جائے۔

اس قرارداد کے مطابق یہ قبائل بڑے زور و شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنے تمام اہل و عیال لے کر آیا تھا۔ کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دے دیں گے۔

اس معرکہ میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں تاہم کعب اور کلاب الگ رہے۔ فوج کی سرداری کے لئے انتخاب تو مالک بن عوف کا کیا گیا جو قبیلہ ہوازن کا رئیس اعظم تھا لیکن مشیر کی حیثیت سے درید بن الصمۃ کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو عرب کا مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کا سردار تھا اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں لیکن اس کی عمر 100 برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور وہ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے و تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی۔ پلنگ پر اٹھا کر اسے میدان جنگ میں لائے اس نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے لوگوں نے کہا "اوطاس" بولا، کہ ہاں یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے۔ اس کی زمین نہ بہت سخت ہے نہ اس قدر نرم کہ پاؤں اس میں دھنس جائیں۔ پھر پوچھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آ رہی ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے۔ بولا کہ جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی۔

پھر پوچھا کہ کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان جنگ میں

نہیں تو کہا "اگر آج کا دن عزت وشرف کا دن ہوتا تو کعب وکلاب غیر حاضر نہ ہوتے" اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں اعلان جنگ کیا جائے لیکن مالک بن عوف جو 30 سالہ نوجوان تھا نے جوش شباب میں اس رائے کو قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ بوڑھے ہو چکے آپ کی عقل بے کار ہو چکی۔

رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی جدرد کو بھیجا وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر تمام حالات کی تحقیق کی۔ آنحضرت ﷺ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ رسد اور سامان جنگ کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی۔ عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے سوتیلے بھائی تھے نہایت دولت مند تھے ان سے تیس ہزار (30,000) درہم قرض لئے۔ صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی میں مشہور تھا لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا اس سے آنحضرت ﷺ نے اسلحہ جنگ مستعار مانگے اس نے سو (100) زرہیں اور ان کے لوازمات پیش کئے۔

شوال 8 ہجری بمطابق جنوری و فروری 630ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار (12000) تھی اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ بعض صحابہؓ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گئے کہ "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے" لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔

آیت

اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

فتح کی بجائے دہلہ اول میں مطلع صاف تھا آپ ﷺ کے ساتھ چند جانثار رہ گئے۔ بعض روایات کے مطابق 20، بعض کے مطابق 100 کے لگ بھگ یا اس سے بھی زیادہ تھے۔ حضرت ابوقتادہؓ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی۔ اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا، اسی اثناء میں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا، پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔

اس وقتی پسپائی کے مختلف اسباب تھے! مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ بھی پہن کر نہیں آئے تھے۔ فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ ہوازن تیراندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا، کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیراندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوؤں اور دروں میں جابجا جما دیئے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں ادھر کمین گاہوں سے تیراندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہہ برسا دیا۔ مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ

گئے۔ اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ چند جانثار رہ گئے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ تیروں کا مینہہ برس رہا تھا بارہ ہزار فوجیں ہوا ہوگئی تھیں لیکن ایک پیکر مقدس ثابت قدمی سے ڈٹا تھا، جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعہ کائنات ﷺ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا، "یا معشر الانصار" آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپ ﷺ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی۔ آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلالِ نبوت کے لہجے میں فرمایا "میں اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں" دوسری روایت میں ہے کہ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا اِبْنُ عَبْدُالْمُطَّلِبْ میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انہوں نے نعرہ مارا۔ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارْ یَا اَصْحٰبَ الشَّجَرَہ اور گروہ انصار او اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والے)

اس پُر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعتہً پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے دفعتہً لڑائی کا رنگ بدل گیا کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے۔ اور جب ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا۔ درید بن الصمۃ کئی ہزار فوج لے کر اوطاس میں آیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عامرؓ اشعری کے ماتحت تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لئے بھیج دی۔ حضرت ابو عامرؓ اشعری درید کے بیٹے کے ہاتھ سے شہید ہو گئے ان کے ہاتھ میں علَم اسلام بھی تھا تو یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا، دشمن کو قتل کر کے علَم اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ درید ایک شتر پر ہودج میں سوار تھا، ربیعہ بن رفیع نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن اُچٹ کر رہ گئی، اس نے کہا تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے" پھر کہا کہ میرے محمل میں تلوار ہے نکال لو اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ میں نے درید کو قتل کر دیا۔ ربیعہ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا "خدا کی قسم درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا"۔

اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی، ان میں حضرت شیماءؓ بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا "میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس لائے۔ انہوں نے پیٹھ کھول کر بچپن کا ایک نشان دکھایا۔" فرطِ محبت سے آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کے بیٹھنے کے لئے خود چادر مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ "جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو، اور گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے" انہوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں۔

محاصرۂ طائف

حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی۔ طائف نہایت محفوظ مقام تھا، طائف اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے گرد، شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہاں

ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا نہایت شجاع، تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا۔ عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابوسفیان (حضرت امیر معاویہؓ کے والد) کی بیٹی اس سے بیاہی تھی۔ کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے رؤساء پر اترتا۔ یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے۔ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جُرَس (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات تیں، دبابہ، ضبُور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا، یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا، اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی، سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا، چاروں طرف منجنیقیں اور جا بجا قدر انداز متعین کئے۔

آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں اور خود طائف کا عزم کیا۔ حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیئے گئے تھے۔ غرض محاصرہ ہوا اور اسلام میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے۔ دبابہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت کی تیر اندازی کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا۔ بہت سے لوگ زخمی ہوئے، بیس دن تک محاصرہ رہا۔ لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ آنحضرت ﷺ نے نوفل ابن معاویہ کو بلا کر پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں۔ چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کی آپ ﷺ ان کو بددعا دیں، آپ ﷺ نے یہ دعا دی۔

اے اللہ! ثقیف کو ہدایت فرما اور توفیق عطا فرما کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔

تقسیم غنائم

محاصرہ چھوڑ کر آپ ﷺ جعرانہ تشریف لائے، غنیمت کا بے شمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار (6000) اسیران جنگ، چوبیس ہزار (24000) اونٹ، چالیس ہزار (40000) (سے زیادہ) بکریاں اور چار ہزار (4000) اوقیہ چاندی تھی۔ اسیران جنگ کے متعلق آپ ﷺ نے انتظار کیا کہ ان کے عزیز و اقارب آئیں تو ان سے گفتگو کی جائے لیکن کئی دن گزرنے پر بھی کوئی نہ آیا۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے۔ چار حصے حسب قاعدہ فوج کو تقسیم کئے گئے خمس بیت المال اور غرباء و مساکین کے لئے رکھا گیا۔

مکہ کے اکثر رؤساء جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک متذبذب الاعتقاد تھے۔ انہی کو قرآن مجید میں مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب کہا ہے، قرآن میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں ان لوگوں کا نام بھی ہے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات دیئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

ابوسفیان مع اولاد	300 اونٹ 120، اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام	200 اونٹ
نضیر بن حارث بن کلاہ ثقفی	100 اونٹ
صفوان بن امیہ	100 اونٹ
قیس بن عدی	100 اونٹ
سہیل بن عمرو	100 اونٹ
حویطب بن عبدالعزیٰ	100 اونٹ

(ان کے علاوہ تین غیر مکی نومسلم رئیس بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے)

اقرع بن حابس (تمیمی)	100 اونٹ
عینیہ بن حصن (فزاری)	100 اونٹ
مالک بن عوف (نصری)	100 اونٹ

ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے، عام تقسیم کی رو سے فوج کے حصہ میں جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں، لیکن چونکہ سواروں کو تگنا حصہ ملتا تھا، اس لئے ہر سوار کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔

جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے اس پر انصار کو رنج ہوا، بعضوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا، جس میں لوگ جمع ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے عرض کی کہ "حضور ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ صحابہؓ جھوٹ نہیں بولتے تھے، انہوں نے کہا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سنا صحیح ہے"۔ آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی۔ انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو ہدایت کی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے، اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند کیا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے "کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! تم یہ جواب دو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفلس آئے تھے ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر آؤ"۔ انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں"۔ اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں، میں نے جو کچھ ان کو دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب کے لئے دیا۔

حنین کے اسیرانِ جنگ ابھی تک جعرانہ میں محفوظ تھے ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیران جنگ رہا کر دیئے جائیں یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں انہی میں آپ کی پھوپھیاں اور آپ کی خالائیں ہیں! خدا کی قسم اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔ نمازِ ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں" مہاجرین اور انصار بول اٹھے "ہمارا حصہ بھی حاضر ہے" اس طرح چھ ہزار اسیران دفعتہً آزاد تھے۔

اقتباس از سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

النساء آیات 3 تا 58

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

27.7.2010

"کامل سے تکالیف شرعیہ کا ساقط نہ ہونا"

قولہ تعالیٰ: وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ أَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۔ (النساء:106 تا 113)

ترجمہ: اور آپ استغفار فرمایئے اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتو ان لوگوں میں سے تو ایک گروہ نے آپ کو غلطی ہی میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

باوجود اس کے کہ حضور ﷺ سے کوئی امر موجب استغفار کا صدور نہیں ہوا جیسا جملہ ثانیہ اس پر دال ہے پھر استغفار کا حکم ہونا جیسا جملہ اولیٰ اس پر دال ہے۔ اصل سے اس قول کی حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواہ کیسا ہی کمال حاصل ہو جاوے مگر تکالیف شرعیہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتیں۔"

....

یعنی حضور ﷺ تو معصوم ہیں۔ امام الانبیاء ہیں۔ غلطی کا صدور تو ممکن نہیں اس کے باوجود استغفار کا حکم ہے تو فرماتے ہیں۔ ہر آدمی کا اللہ سے تعلق اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے اور یہاں محاورہ لکھا ہے "حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ" کی نیکوں کی جس درجے کی نیکیاں ہوتی ہیں اگر مقربین اس درجے کا کام کریں تو شائد وہ گناہ میں شمار ہو۔ یعنی ایک عام آدمی جس انداز میں بات کرتا ہے، بات ہی کرتا ہے، بڑے آرام سے بھی کرتا ہے، لیکن اگر اسی انداز سے عدالت میں یا سپریم کورٹ میں کرتا ہے تو شائد وہ جرم بن جائے گی۔ اس بے تکلفی سے نہیں کرنی ہوگی۔ عدالت کے آداب ملحوظ رکھ کے ان حدود میں کرنی ہوگی۔ تو جب اللہ کے حضور کوئی عمل پیش کرتا ہے تو عام آدمی کا ایک عمل نیکی ہو سکتا ہے لیکن اللہ کا مقرب ویسا ہی عمل کرے تو وہ اس سے منظور نہ کیا جائے کہ تمہیں اپنی حیثیت کے مطابق کرنا چاہیے تھا تو اس بارے فرماتے ہیں کہ اگر حضور اکرم ﷺ کو باوجود کہ آپ ﷺ معصوم ہیں استغفار کا حکم دیا گیا ہے تو پھر ایسا کون ہے جس سے شریعت کے احکام ہی ساقط ہو گئے اور پیر بنے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے اللہ نے نماز معاف کر دی۔ مجھے اللہ نے روزے معاف کر دیئے۔ یہ کس کھیت کی مولی ہیں۔ یہ تو ثابت نہیں ہوتا اور یہی چیز آج کل عام ہے۔ جو بے دین ننگ دھڑنگ بھنگ پیتا ہو وہی ولی سمجھا جاتا ہے۔"

....

"تعلیم خفی مخالف شرع کا بطلان"

قولہ تعالیٰ: لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ (النساء:114)

ترجمہ: عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی۔ ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں۔

جو تعلیم خفی موافق کتاب و سنت کے نہ ہو جیسا کہ بہت سے جاہل صوفی اس کو حق سمجھتے ہیں کہ طریقت مضاد شریعت کی تعلیم سینہ بسینہ جاری ہے۔ یہ آیت اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہے۔''

....

فرمایا اس پر اس آیت میں دلیل ہے کہ جو تعلیم تصوف و سلوک کی خاص لوگوں کو دیتے ہیں اور اسے اسرار الٰہی سمجھ کر دیتے ہیں وہ بھی حدود شرعی کے اندر ہوگی۔ یہ نہیں کہ شریعت اور چیز ہے۔ کوئی غیر شرعی امور تصوف کے نام پر پھیلانے لگے یہ جائز نہیں ہوگا۔ جنہیں آپ اسرار و رموز کہتے ہیں اور کہتے ہیں جی کہ عام لوگوں کو نہیں بتانی یہ خاص لوگوں کا حصہ ہے ان پر بھی شریعت کی قید ہوگی تب وہ مقبول ہوں گے۔ حضور ﷺ کی سنت کے کے مطابق ہوں گے۔''

....

''قصد رضا سے ثواب اور تمام ثمرات بلا قصد حاصل ہو جاتے ہیں''

قولہ تعالیٰ: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (النساء:114)

ترجمہ: اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ یہ آیت منطوقاً اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو مخلص ثواب کا قصد نہ کرے محض رضا کا قصد کرے اس کو ثواب بھی ملتا ہے اور مفہوماً اس پر دلالت کرتی ہے کہ تمام ثمرات اعمال کے رضا کے تابع ہیں۔ جب رضا کا قصد کرتا ہے۔ دوسرے ثمرات بلا قصد عطا ہو جاتے ہیں۔''

....

فرمایا یہ آیہ کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ جو بندہ رضائے الٰہی کی خاطر محنت کرتا ہے اسے رضائے الٰہی بھی نصیب ہوتی ہے اور ثواب بھی نصیب ہوتا ہے۔ چونکہ تمام انعامات رضا کے تابع ہیں۔ کوئی تھوڑا ہے یا بڑا انعام ہے اللہ کے سارے انعام بڑے ہیں۔ اللہ کی طرف سے کوئی چیز تھوڑی نہیں ہوتی۔ ہم چھوٹی بڑی اپنے حساب سے کہتے رہتے ہیں۔ اللہ جو دیتا ہے وہ بہت بڑا انعام ہوتا ہے اور ہر انعام تابع رضا کے ہے۔ تو اگر انسانی کردار اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا کے تابع ہو جائے، اس کے اعمال حصول رضائے الٰہی کے لئے ہو جائیں تو ثواب بھی ملتا ہے اور درجات بھی ملتے ہیں۔ اسے ہم اگر اپنے ظاہری کردار پہ نافذ کریں تو بڑی خوبصورت بات سامنے آتی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ میں یہ محنت کرتا ہوں تو مجھے یہ روزی ملی ہے یا مجھے یہ درجہ ملا ہے۔ فرمایا جو کچھ ملا ہے اسے اللہ کی عطا سمجھو۔''

....

''طریق صوفیہ کی فضیلت''

قولہ تعالیٰ: وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (النساء:125)

ترجمہ: اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو اور وہ ملت ابراہیم کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں۔

حاصل طریق صوفیہ کا یہ امور ہیں۔ انقیاد ظاہری و باطنی جو

تفسیر ہے اسلام کی اور احسان جس کی تفسیر حدیث میں ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ اور حنیفیت یعنی غیر اللہ سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا اور آیت میں اس مجموعہ کو احسن طریق کہا گیا ہے۔ تو آیت اس پر دال ہوئی کہ صوفیہ کا طریق احسن طرق ہے۔"

فرمایا حاصل طریق صوفیاء یہ امور ہیں۔ یعنی یہ چیزیں تصوف کا حاصل اور اصل ہیں۔ محنت کرتے ہیں، مراقبات کرتے ہیں، لطائف کرتے ہیں۔ اس کا حاصل کیا ہوتا ہے؟ حاصل یہ ہوتا ہے کہ بندے میں خلوص آجاتا ہے۔ کجی نکل جاتی ہے۔ اتباع سنت نصیب ہو جاتا ہے۔ عملی زندگی سدھر جاتی ہے۔ اسلام اور احسان کی تفسیر میں ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یعنی غیر اللہ کی طرف سے کٹ کر اور یکسو ہو کر اللہ کی طرف توجہ کرنا۔ اس مجموعہ کو احسان کہا گیا ہے۔ اس میں اس بات میں دلالت ہے کہ صوفیہ چونکہ ہر حال بندے سے ساری محنت اس لئے کراتے ہیں کہ وہ متوجہ الی اللہ رہے لہٰذا صوفیوں کے طریقے یا سلسلے مستحسن ہیں۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے۔"

....

"کاملین میں امور طبعیہ کا بقاء"

قولہ تعالیٰ: وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (النساء:128)

ترجمہ: اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے۔

انفس کے عموم سے آیت اس پر دال ہے کہ امور طبعیہ کاملین سے بھی زائل نہیں ہوتے۔ سو اگر کسی کامل میں ان کے کچھ آثار عود کر آویں تو یہ منافی کمال نہیں جب کہ اس پر اصرار نہ ہو۔"

....

کاملین کا مزاج بھی انسانی مزاج ہوتا ہے۔ وہ دکھ سکھ کو، بھوک پیاس کو اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح عام آدمی کرتا ہے۔"

....

"فاضل کے انتظار میں مفضول کو نہ چھوڑے"

قولہ تعالیٰ: وَ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ الخ (النساء:129)

ترجمہ: اور تم سے تو یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ۔

آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر عمل کے اعلیٰ درجہ پر قدرت نہ ہو۔ اس کے ادنیٰ ہی درجہ پر عمل کر لے۔ اعلیٰ پر قادر ہونے کے انتظار میں نہ رہے۔ بعض لوگوں کی عمر اسی انتظار میں فناء ہو جاتی ہے اور ادنیٰ سے بھی محروم رہتے ہیں۔"

فرماتے ہیں اس میں یہ دلیل ہے کہ کوئی بھی اس انتظار میں عمل چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے کہ بڑا مجاہدہ کروں گا اور ساری عمر بیٹھا ہی رہے۔ نہ بڑے مجاہدے کا موقع ملے نہ اس کی توفیق ملے اور نہ کر سکے تو جو نیک عمل جتنا ہو سکے وہ فوراً کر لینا چاہیے۔ یعنی کسی کے پاس دس روپے ہیں وہ اس بات پر بیٹھا رہے کہ سو ہوں گے اللہ کے نام پر دوں گا۔ بھئی سو تو پتہ نہیں ہوں گے تمہارے پاس کہ نہیں یا یہ دس بھی خرچ

ہوجائیں گے۔ اگر دینے ہی ہیں تو یہ دے دو۔ جو عمل کر سکتے ہو وہ کر گذرو پھر جب بڑا عمل کرنے کا موقع ملے گا تو پھر بڑا عمل کر لینا۔"

....

"احوال باطنہ عاجلہ کے قصد کا مذموم ہونا"

قولہ تعالیٰ: مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ (النساء:134)

ترجمہ: جو شخص دنیا کا معاوضہ چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا معاوضہ ہے۔

دنیا اپنے عموم مفہوم سے ہر عاجلہ غیر ماموره بالحصول کو شامل ہے اور اس عموم میں ثمرات باطنیہ عاجلہ بھی داخل ہو گئے تو آیت ان ثمرات کے مقصود و مراد بالعمل ہونے پر انکار کرتی ہے۔"

....

یعنی اس میں یہ دلیل ہے کہ کوئی دنیا کی طلب کرے تو دنیا بھی اللہ کے پاس ہے اور کوئی آخرت چاہتا ہو تو آخرت بھی اسی کے پاس ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسانی اعمال اللہ کی رضا کے لئے ہوتے ہیں دنیاوی ثمرات کے لئے نہیں ہوتے اور اس بات کو ماننا بڑا نازک سا کام ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ رضائے الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔ باقی رزق دینا اس کا اپنا کام ہے۔ یہی کام امور باطنیہ پر بھی ہے۔ درجات اور مراقبات علیا دینا یہ اس کی عطا ہے۔ ہم جو مجاہدہ کر رہے ہیں اس کی رضا کے حصول کے لئے کر رہے ہیں۔ مقامات کے لئے نہیں کر رہے۔ چونکہ اگر مقامات ہی مقصود ہو جائیں تو اس میں بھی اللہ کے ساتھ شرک آ جائے گا۔ مقصود بالذات تو اللہ کی ذات ہے تو مقصود رضائے الٰہی ہے۔ مجاہدہ سارا رضائے الٰہی کے لئے ہوگا۔ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہی کلیہ دنیا پہ بھی لاگو ہوگا۔ یعنی ہم جو محنت بھی کرتے ہیں تو اللہ کا حکم ہے کہ رزق حلال کے حصول کے لئے محنت کرو۔ ہم محنت کرتے ہیں باقی جو مل جاتا ہے یہ اس کی عطا ہے۔"

....

ماہنامہ المرشد میں اشتہار دینے کے خواہشمند متوجہ ہوں

جو حضرات اپنے یا اپنی کمپنی کے لیے ماہنامہ المرشد میں اشتہار شائع کروانا چاہتے ہیں وہ سرکولیشن مینجر ماہنامہ المرشد لاہور سے رابطہ کریں۔

دفتر: ماہنامہ المرشد۔ 17 اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 042-35182727

قارئین المرشد سے

التماس ہے کہ المرشد کے بارے میں اپنی آراء سے مستفیض فرمائیں اور اس کو زیادہ مفید اور معتبر بنانے کے لئے اپنی تجاویز سے نوازیں۔

نیز یہ بھی گزارش ہے کہ اہل حضرات اپنے مضامین بھجوائیں جو ساتھیوں کی رہنمائی اور نئے قارئین کے لیے نفس کی اصلاح کا سبب بن سکیں۔ یا ایسے واقعات و تجربات تحریر فرمائیں جو سبق آموز ہوں۔

(مدیر ماہنامہ المرشد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادبی عظمتیں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

عربی ادب میں آنحضرت ﷺ کی احادیث، آپ کے مکتوبات، آپ کے خطبات اور وعظ وارشاد کے اعلیٰ ترین نمونوں کا بہت بلند مقام ہے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں کے ادب میں کسی شخصیت کا اتنا بلند، پُر اثر، تاریخ ساز اور دائمی اثر نہیں ہے۔

ظہور قدسی سے عربی زبان کی حیثیت بدل گئی۔ مزاج اور محاورہ بدل گیا، الفاظ وتراکیب میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، اسلوب اور انداز بیاں تبدیل ہوگیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کے طفیل عربی زبان کو نہ صرف یہ کہ متفرق قبائل کے لہجوں سے نکل کر ایک متحدہ اور زندہ جاوید زبان بننے کا شرف حاصل ہوا بلکہ ادبیات سے ایک وسیع و وقیع ذخیرہ بھی میسر آ گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کی احادیث کا عربی ادب میں ایک نہایت بلند اور خاص مقام ہے۔ اور عربی ادب کی تاریخ پر زبردست اثرات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے حکمت سے پُر جامع کلمات وارشادات جو جوامع الکلم کہلاتے ہیں، ہمیشہ سے ادباء و خطباء کے کلام کی زینت اور انشا پردازی کا سہارا بنے رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے خطبات عربی خطابت کی تاریخ کا بلند ترین نمونہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے عہد میں جو مکتوبات فرامین اور احکام جاری فرمائے وہ بھی عربی فصحاء و بلغاء کے ادبی رسائل میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی ادبیات کی تاریخ میں آنحضرت ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور خطیبانہ کمالات کے بے شمار پہلو ہیں، اور ان میں سے ہر ایک پہلو ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

عربی علم البلاغت کی کتابوں میں ''المدح بما یشبہ الذم'' کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد متداول ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں مگر میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اور میں نے بنو سعد بن بکر میں پرورش پائی ہے۔ ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات عطا کئے ہیں اور غزوۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے بادِ صبا کے ذریعے میری مدد فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ میں عرب میں گھومتا پھرا ہوں، فصحائے عرب کے خطبات سنے ہیں مگر آپ ﷺ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ کہیں بھی میں نے نہیں دیکھا۔ آخر یہ ادب آپ کو کس نے سکھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تو میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور کیا خوب سکھایا ہے۔

ان اقوال وعبارات پر غور کیا جائے تو آنحضرت ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور ادب کے چار عناصر ترکیبی نظر آتے ہیں جن میں سے دو تو ہمیں قبیلہ قریش اور قبیلہ بنوسعد بن بکر، ظہور قدسی کے وقت عرب میں صرف دو قبیلے تھے جن کی زبان دانی و فصاحت و بلاغت کا سکہ چلتا تھا۔ ایک قبیلہ قریش تھا جس کی زبان عربی بنی کہلائی اور تمام قبائل عرب کے شعرا اُن کو اپنا حکم اور جج مانتے۔ اور قریش کے ادبی فیصلوں کو تسلیم کرتے تھے۔ اسی طرح بنوسعد بن بکر کا قبیلہ بھی فصاحت و بلاغت اور ادبی مقام کا مالک تھا۔ اسی قبیلے میں آپ ﷺ نے پرورش پائی۔ اور حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ کو آپ کی رضاعی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان ہر دو قبائل کی فصاحت و بلاغت وزبان دانی کا آپ پر بہت اثر ہوا۔ چنانچہ جب آپ یہ فرماتے ہیں کہ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْش وَ نَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدِ بْنِ بَکْرٍ تو درحقیقت آپ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے کہ مسبب الاسباب نے اپنے آخری پیغام کے لئے جو ذات منتخب فرمائی اس کی پیدائش اور پرورش عرب کے دو مسلّم فصیح و بلیغ قبائل میں ہوئی۔

فصاحت و بلاغت کا تیسرا عنصر عنایت ربّانی ہے فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا کو تو تو ہماری نظروں میں ہے۔ ہماری عنایت و اہتمام کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ چنانچہ جب آپ فرماتے ہیں کہ ادبنی ربی فاحسن تادیبی تو آپ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے جو الفاظ و کلمات آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوئے ان کی تاثیر بھی اسی عنایت ربانی کے ضمن میں آتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور ادبی مقام کا چوتھا عنصر فطرتِ محمدی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظرف ہی اتنا وسیع، بے پایاں عطا فرمایا تھا جو بار نبوت اور تبلیغ قرآن کا اصل تھا۔ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں ہی فصاحت و بلاغت کے کمالات و دیعت فرما دیئے تھے۔ بہر حال آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب بیان کا کمال دراصل فیضانِ الٰہی کا نتیجہ تھا۔ اسی لئے کلام نبوت پر وحی قرآنی کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اسلوب بیاں میں نہ تکلف تھا نہ تصنع تھا۔ سلیس الفاظ میں نازک و باریک معانی بیان فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام قبائل کے لہجات کا علم دیا تھا چنانچہ آپ ﷺ ہر قبیلے سے اس کے اپنے لہجے میں بات کرتے تھے۔ مشہور عرب عالم و ادیب ابی حظ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ تو الفاظ کی تلاش کی مشقت کرتے تھے اور نہ معانی پیدا کرنے کے لئے کسی تکلف سے کام لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے لفاظی، گلا پھاڑ کر اور باچھیں کھول کر بات کرنے کو ناپسند فرمایا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں تکلف اور تصنع والی خطابت سے پرہیز کرتا ہوں مجھے وہ لوگ پسند نہیں جو باتونی اور زبان دراز ہوتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے خطبات وارشادات میں ہمیشہ انتہائی پختگی، صحت عامہ اور سچائی کو جلوہ گر دیکھا۔ دوران

خطابت و کلام آپ کبھی غلطی نہ کرتے کہ تائید الٰہی ہمیشہ آپ کے شامل حال رہتی تھی۔ ابو عثمان ابی حظ نے ''البیان والتبین'' میں آنحضرت ﷺ کے متعدد جوامع الکلم اور خطابت نقل کرنے کے علاوہ آپ کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب بیان کے متعلق بھی مفصل بحث کی ہے۔ وہ آپ کے اندازِ خطابت کے بارے میں ایک جگہ لکھتا ہے۔ آپ ﷺ کے کلام کے حروف کی تعداد کم ہوتی مگر ان میں معانی کی مقدار ہمیشہ زیادہ ہوتی۔ آپ ﷺ تکلف و تصنع سے اجتناب کرتے تھے اور صحیح معنیٰ میں اللہ کے اس قول کی عملی تفسیر تھے کہ وما انا من المتکلفین یعنی میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بھلا آپ ﷺ کیسے تکلف کر سکتے تھے جبکہ آپ ﷺ تو تقریری و خطابت میں باچھیں کھولنے اور آواز بھاری کرنے کو معیوب قرار دیتے تھے۔ جہاں تفصیل کی ضرورت ہوتی وہاں شرح و بسط سے کام لیتے تھے، جہاں اختصار کا موقع ہوتا وہاں مختصر خطاب کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے کلام میں نہ تو غیر مانوس قسم کے الفاظ ہوتے اور نہ سوقیانہ انداز، بلکہ آپ ﷺ جب بھی بولتے حکمت کے چشمے پھوٹتے۔ آپ ﷺ کے اسلوب بیان کو اللہ کی حفاظت و تائید حاصل تھی۔ آپ ﷺ کا بیان معجز نما ایسا تھا جسے اللہ کی جانب سے محبوب و مقبول ہونے کا شرف حاصل تھا۔ جس میں ہیبت بھی تھی اور شیرینی بھی، جو فطنت الفاظ، کثرت معنی کے ساتھ ساتھ حسن تفہیم کا پہلو بھی رکھتا تھا۔ آپ ﷺ کی ہر بات اس قدر واضح اور عام فہم ہوتی کہ دہرانے یا دوبارہ سننے کی ضرورت نہیں رہتی تھی آپ کے کلام میں کبھی لغزش یا نقص نہ پیدا ہوا۔ آپ ﷺ کا بیان مدلل و مسکت ہوتا۔ آپ ﷺ کبھی کسی خطیب سے لاجواب نہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے طویل خطبات میں پر مغز و مختصر جملے ہوتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ حق و صداقت کی بات کرتے۔ الفاظ کے ہیر پھیر کا سہارا لینے یا عیب جوئی سے ہمیشہ اجتناب کرتے۔ نہ سست روی سے کام، نہ جلد بازی سے، نہ حد سے زیادہ طول دیتے اور نہ بات کرنے سے عاجز آتے بلکہ آپ ﷺ کے کلام سے زیادہ نفع بخش، لفظ و معنی میں متوازن، بلند مقصد، زیادہ پُراثر، ادائیگی میں آسان تر، معنی میں زیادہ فصیح اور مقصد کو زیادہ واضح کرنے والا کلام کسی کا نہیں دیکھا۔

یہ تو ہے جاحظ کی رائے۔ مشہور سیرت نگار قاضی عیاض الشفا میں آنحضرت ﷺ کے ادبی مقام سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''جہاں تک فصاحت اور بلاغت بیانی کا تعلق ہے تو اس میں آپ ﷺ کا بلند و افضل ترین مقام تھا۔ آپ ﷺ کے مرتبے کو سب جانتے تھے۔ سلاست و روانی، بیان کا کمال، بات میں اختصار، خوبصورت لفظ، پر معنی قول، صحیح معنی اور تکلف کی کمی آپ ﷺ کے کلام کے خصائص تھے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات اور کمال کی حکمت عطا کی تھی اور لہجات عرب کا علم دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ ہر قبیلے سے اس کے لہجے میں بات کرتے تھے''۔

13-5-2011

اکرم التفاسیر

پارہ قال الملا 9 سورۃ الاعراف

آیات 90-98 رکوع 11

عنوان: ایمان وتقویٰ کاثمر

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم o

بسم اللہ الرحمن الرحیم o

وَقَالَ الْمَلَاُ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ

ارشاد ہوتا ہے جب شعیبؑ نے دعوت حق دی۔ لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا تو کفار نے انہیں جھٹلایا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ انسان کو فراخی عطا فرماتا ہے، مال و دولت دے دیتا ہے، اولاد عطا فرما دیتا ہے۔ عہدے اور منصب عطا فرما دیتا ہے، اختیارات دے دیتا ہے اور جب اس کے پاس وسائل آتے ہیں، مال آتا ہے، دولت آتی ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ میں ایک ناچیز مخلوق ہوں۔ اللہ نے ایک نطفے سے مجھے پیدا کیا، میں ایک بے بس بچہ تھا، اس نے مجھے جوانی عطا کی، میں تو مکھی نہیں اڑا سکتا تھا، اس نے مجھے تنومند کڑیل جوان بنا دیا، پھر اس کی مجھ پر بے پناہ نعمتیں ہیں۔ تو اصولاً تو اس بندے کو جس کے پاس مال و دولت اور اختیار و اقتدار ہے اسے زیادہ شکر گذار ہونا چاہیئے لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی جگہ سمجھنے لگ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ میں ہی قادر ہوں۔ یہ مخلوق میرے لئے کیڑے مکوڑے ہیں، میں جو جی چاہے کروں۔ پھر ایسے لوگوں کو جب دعوت الی اللہ پہنچتی ہے تو بڑی کڑوی لگتی ہے اور یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کا حوصلہ ہے کہ بڑے بڑے جابر کفار کے سامنے کلمۂ حق کہا۔ آپ اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پڑھیں اور نوحؑ کی قوم کے حالات پڑھیں تو بڑے تگڑے لوگ بڑے مضبوط لوگ تھے آپؑ انہیں ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرتے رہے۔ وہ لوگ طنز کرتے تھے، طعنے مارتے تھے، مذاق اڑاتے تھے اور بعض اوقات انہیں اتنا مارتے تھے کہ بیہوش کر کے پھینک جاتے تھے۔ پھر جب طبیعت سنبھلتی تھی تو اپنے منصب جلیلہ پہ کھڑے ہو جاتے تھے اور دعوت الی اللہ شروع کر دیتے تھے۔ ساڑھے نو سو سال کرتے رہے۔ بالآخر تھک کر آپؑ نے دعا کی بارالٰہا یہ ماننے والے نہیں رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:36) اے اللہ روئے زمین پر کسی کافر کو زندہ مت چھوڑ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح:37) بارالٰہا میں ساڑھے نو صدیاں ان کے ساتھ محنت کر کے دیکھ چکا ہوں۔ آپ نے اگر ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ نہ صرف خود کفر کرے گا بلکہ اس کی جو نسل ہوگی وہ بھی کافر ہی ہوگی ان میں اتنا کفر رچ بس گیا ہے، تباہ ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ حوصلہ انبیاء ہی کا ہے۔ ہمارا سگا بھائی ہو کسی بات پہ اس سے ایک دفعہ بات کریں، دو دفعہ کریں وہ کہنا نہیں مانتا تو ہم کہتے ہیں، چھوڑو نہیں مانتا ہم کیا کریں۔ بھلائی کا کام ہے اچھا ہے لیکن نہیں کرتا نہ کرے۔ یہ انبیاءؑ ہی کا حوصلہ ہے۔ یہ حوصلہ اللہ نے

اپنے نبی موسیٰ ہی کو دیا کہ فرعون سے جا کر کہیں کہ توبہ کرو اور اللہ کو مان لو۔ ذرا سوچیں ذہن میں نقشہ بنائیں۔ فرعون کی طاقت، اس کے کفر کو دیکھیں۔ وہ خود اپنے کو منواتا تھا سجدے کرواتا تھا۔ اس کی بہت بڑی فوج، لشکر، طاقت، حکومت و سلطنت و ریاست تھی اور ایک اللہ کا بندہ تن تنہا، ایک بھائی ہارونؑ ساتھ ہے۔ فرعون سے کہتا ہے توبہ کرو اللہ سے معافی مانگو۔ سب انبیاءؑ کو دیکھیے۔ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کو دیکھیں کہ جو سب سے بڑا کفر کا گڑھ تھا حضور ﷺ وہاں مبعوث ہوئے۔ دنیا بھر کی قوموں میں طرح طرح کے کفر موجود تھے، کوئی عیسیٰؑ کو پوج رہا ہے، کوئی عزیزؑ کو پوج رہا ہے، کوئی ستاروں کو، کوئی سورج کو، کوئی آگ کو۔ یہ خطۂ ارض جو تھا یہ چونکہ تاجر پیشہ لوگ تھے دنیا کے ہر ملک میں آتے جاتے تھے تو ہر ملک سے ہر قسم کا کفر لے آتے تھے اور خود شہر مکہ مکرمہ میں بتوں کے پجاری بھی تھے، جادوگروں کی پرستش کرنے والے بھی تھے، آگ کے پجاری بھی تھے، سورج کے پوجنے والے بھی تھے، چاند تاروں کے پوجنے والے بھی تھے، جنوں کی پرستش کرنے والے بھی تھے اور بڑے بڑے سردار تھے۔ بڑے بڑے طاقتور لوگ تھے لیکن جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے وہی دعوت دہرائی۔ ساری مشکلات کے باوجود حق کہنا یہ صرف انبیاء و رسل کا حوصلہ ہے۔ عموماً جو سردار ہوتے ہیں ان کو یہ ایک بات نظر آجاتی ہے جس کے بارے قرآن میں یہ کئی دفعہ کہا بھی گیا ہے جب سرداروں نے کہا یہ بندہ ہماری سرداری چھیننا چاہتا ہے۔ اب تو مخلوق ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے ہم ان کے پیچھے لگیں گے تو اس کا مطلب ہے ہم ان کے غلام ہو گئے اور ساری مخلوق بھی ان کی غلام ہو جائے گی۔ یہ بڑے بن جائیں گے اور یہ ہماری سرداری لے لیں گے۔ ایسا ہی شعیبؑ کے ساتھ ہوا وقال الملأ الذین کفروا من قومہ ان کی قوم میں جو کافر امراء تھے اور سردار تھے وہ کہنے لگے۔ لوگو! اگر تم شعیبؑ کے پیچھے چلو گے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ ہمارے پیچھے چل رہے ہو تو ہم تمہیں مزدوری پہ لگا دیتے ہیں، تمہیں پیسے دیتے ہیں، تمہاری مصیبتیں دور کرتے ہیں۔ یہ تو خود درویش آدمی ہے اس کے پاس مال و دولت تو ہے نہیں تو تم اس کے پیچھے لگ کر کیا حاصل کرو گے، تمہیں کیا مل جائے گا۔ سرداران قوم جو تھے انہوں نے عوام سے کہا لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اگر تم شعیبؑ کے پیچھے لگ گئے اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ تو تم ہی گھاٹے میں رہو گے ہم نے کسی کام نہیں آنا، تمہاری کوئی مدد نہیں کرنی، تمہیں کوئی پیسہ نہیں دینا، تمہیں کسی کام پہ نہیں لگانا اور وہ بھول گئے کہ شعیبؑ اللہ کے رسولؑ ہیں، اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اور پھر جب میری غیرت جوش میں آئی فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ تو میں نے ایک زلزلہ بھیج دیا۔ ایسا زلزلہ آیا فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ زلزلہ تو آ کر چلا گیا اور کفار میں سے ایک فرد نہ بچا۔ گھروں میں مرے ہوئے اوندھے پڑے تھے کوئی چھت کے نیچے دبا پڑا، کوئی دیوار کے نیچے دبا پڑا تھا، کوئی زمین شق ہوگئی اور اس میں گڑ گیا تھا، کوئی درختوں سے پٹخ کر مر گیا تھا۔ کوئی ان کی میتیں اور لاشیں سیدھی کرنے والا بھی نہیں تھا۔ اوندھے منہ پڑے تھے۔ فرمایا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی، ان سے مقابلہ کیا اور ان کو جھوٹا بتایا ایسا نظر آتا تھا کہ یہ یہاں کبھی تھے ہی نہیں اَلَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا مٹ مٹا گئے۔ کوئی بچہ، بیٹی،

بیوی، دوست، بھائی، بزرگ، کوئی باقی نہ رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں کوئی زندہ انسان بستا ہی نہیں تھا۔ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ 92 کہتے تو دوسروں کو تھے کہ جو شعیبؑ کی بات مانے گا خسارے میں رہے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ جنہوں نے شعیبؑ کا انکار کیا اصل گھاٹا انہوں نے اٹھایا۔ نقصان ان کا ہوا، تباہ وہ ہو گئے کوئی ان کو رونے والا بھی باقی نہ بچا نہ کوئی ان کی میتیں سیدھی کرنے والا تھا۔ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ شعیبؑ نے رخ انور پھیر لیا۔ ان سے الگ ہو گئے وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! میں نے اللہ کا پیغام من وعن جو اللہ نے مجھے پہنچایا پوری دیانت داری سے تم تک پہنچا دیا وَ نَصَحْتُ لَكُمْ اور تمہیں نصیحت بھی کی جو کچھ میرے بس میں تھا کہ یہ اللہ کا پیغام ہے اور تم اللہ کی مخلوق ہو اسے مانو۔ میں نے تمہاری بھلائی کے لئے پوری دیانت داری سے پوری قوت سے پوری محنت کی لیکن تم نے قبول نہیں کیا فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ اب جس قوم نے اللہ ہی سے کفر کیا اس پر میں کیا افسوس کروں۔ مجھے تو تمہارا دکھ بھی نہیں لگتا۔ کس بات پہ دکھ کروں؟ کس بات کا افسوس کروں کہ تم نے خود اپنے لئے نئی تباہی کا راستہ چنا۔ آگے قانون فطرت ارشاد ہوتا ہے جو بڑا قابل توجہ ہے۔ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ فرمایا: ہم کسی قوم، کسی شہر، کسی بستی میں جب اپنا نبیؑ بھیجتے ہیں تو وہاں کے رہنے والوں پر طرح طرح کی مصیبتیں بھی بھیج دیتے ہیں۔ بھوک آجاتی ہے، افلاس آجاتا ہے، بیماری آجاتی ہے، مال کا نقصان ہو جاتا ہے، فصلوں کا نقصان ہو جاتا ہے، لوٹ مار شروع ہو جاتی ہے، چوریاں ڈاکے شروع ہو جاتے ہیں۔ تو ایک عجب بے اطمینانی اور پریشانی ہوتی ہے۔ کمال ہے یا اللہ! نبی کے آنے سے تو برکات آنی چاہئیں۔ برکات تو ان کے پاس پہلے تھیں۔ مال و دولت تھا، اولاد بھی تھی، خوشحال بھی تھے۔ جب نبی مبعوث ہوا تو فرمایا میں مصیبت اس لئے بھیجتا ہوں لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ تاکہ وہ اس مصیبت سے ڈر کر میرے نبیؑ کے پاس آئیں۔ میرے نبیؑ کی بات مانیں اور میری بارگاہ میں باریاب ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں جب چاہا مشکلات بھیج دیں جب ہٹایا تو لمحے بھر میں ہٹا دیا۔ فرمایا: یہ میں ان کی بہتری کے لئے کرتا ہوں۔ یعنی انسان پہ جب تکلیف آتی ہے، دکھ آتا ہے، افلاس آجاتا ہے تو وہ بھی ایک طرح سے اللہ کی رحمت ہوتی ہے کہ اسے اپنی حیثیت کا احساس ہو جاتا ہے کہ میرے بس میں تو کچھ بھی نہیں۔ تو کس کے بس میں ہے اس کا علاج؟ فرمایا: وہ اللہ کے نبیؑ کے پاس جاتا ہے۔ اللہ کا نبیؑ اسے اللہ سے ملا دیتا ہے، ساری مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں تو فرمایا یہ تو ہم مہربانی کرتے ہیں کہ جس بستی پہ نبیؑ کو بھیجا اس پہ مصیبتیں بھی بھیج دیں تاکہ دل نرم ہوں ان میں کچھ خوف الٰہی پیدا ہو اور یہ میری بارگاہ میں آئیں، میرے نبیؑ کے پاس آئیں۔ لیکن جب لوگ ان مصیبتوں کو بھی جھیل جاتے ہیں اور نبی کی بارگاہ میں نہیں آتے تو فرمایا پھر ہمارا انداز یہ ہے، انداز فطرت یہ ہے، قانون قدرت یہ ہے، ہماری بارگاہ کا انداز اور طریقہ یہ ہے ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ ہم ان کی تکلیفیں خود رفع کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ اب انہیں مالا مال کر دیتے ہیں۔ دولت دے دیتے ہیں، حکومت دے دیتے ہیں، اقتدار دے دیتے

ہیں، اولاد دے دیتے ہیں، یہ مال اور اولاد اللہ ناراض ہو کر دیتا ہے یہ بہت بڑی سزا ہے کہ چند روز تو اس کے پاس دولت بھی رہی، اقتدار بھی رہا، مال بھی رہا، اولاد بھی رہی بالآخر اسے مرنا ہے، سب کچھ چھوڑ کے قبر میں جانا ہے، آگے جواب دینا ہے۔

یہاں نفسیات زیر بحث ہے۔ انسانی نفسیات یہ ہے کہ جب وہ دکھ میں بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا تو اللہ اس پر آسانیاں بھیج دیتے ہیں۔ آسانیوں میں آ کر وہ اور بگڑ جاتا ہے، اور بپھر جاتا ہے اور کہتا ہے وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ پہلے ہمارے باپ دادا پر تکلیفیں بھی آئیں آسانیاں بھی آئیں یہ تو محض زمانے کا رویہ ہے۔ ایک روز مرہ کی بات ہے۔ تکلیف آتی ہے چلی جاتی ہے، دولت آتی ہے چلی جاتی ہے یہ سب کچھ چلتا رہتا ہے، ایسی کوئی بات نہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا پر بھی تکلیفیں آئی تھیں پھر ان پر آسانیاں بھی آئیں۔ یعنی قدرت باری کی طرف سے بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی نہیں، کوئی فکر کی بات نہیں۔ کچھ نہیں ہوتا اس میں کوئی پریشانی نہیں اور کون نبی کے پیچھے بھاگتا رہے اور کون نمازیں پڑھتا رہے، سجدے کرتا رہے اور کون بار بار وضو کرتا رہے اور کپڑے پاک رکھے۔ ان مصیبتوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پیسہ محض پیسہ ہوتا ہے۔ اس میں حلال حرام کیا ہے، جو ملتا ہے لے لو۔ یہ خوانخواہ کی پابندیاں ہیں۔ دولت دولت ہے، اقتدار اقتدار ہے جس طریقے سے ملتا ہے لے لو۔ اس میں اخلاقیات اور اقتدار کو لازم سمجھنا یہ سارے فضول ڈھکوسلے ہیں۔ جہاں سے جو چیز ملتی ہے لے لو، موج کرو۔ رہ گئے دکھ سکھ تو یہ پہلوں پر بھی آتے تھے۔ ہم پر بھی آ گئے۔ جب اس میں وہ بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں تو فرمایا فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ اچانک اللہ کی گرفت آ جاتی ہے پھر انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ کدھر سے ہم پکڑے گئے، تباہ و برباد ہو گئے۔ یہاں مفسرین کرام نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ اللہ بدکاروں کو بھی آسانیاں دے دیتا ہے۔ اور نیکوں کے بارے بھی کہتا ہے وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ اب نیکوں کے بارے ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر یہ بستی والے، اگر اس شہر کے لوگ جہاں میرا نبیؐ آیا، اگر وہ لوگ جو میرے نبیؐ کے مخاطب تھے، ایمان لے آتے اور نیکی کا رستہ اپناتے، تقویٰ اختیار کرتے لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ تو آسمان سے بھی اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتے، برکات کے دروازے کھول دیتے اور زمین سے بھی۔ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا لیکن انہوں نے تو بدبختی کا راستہ اپنایا۔ انہوں نے تو انکار کیا نبیؐ کی بات کا، مانے نہیں۔ فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ جو ان کے اعمال تھے ان اعمال کی گرفت ان پر آ گئی۔ اللہ کی گرفت میں آ گئے، پکڑے گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بدکاروں کو بھی دولت دی دے، حکومت دے دی، نیکوں کو بھی۔ اللہ فرماتا ہے میں اپنی برکتیں دے دیتا ہوں۔ تو کیا پتہ چلے کہ اگر مجھ پر آسانی ہے یا تکلیف ہے تو یہ عذاب ہے یا عنایت ہے۔ تو علماء حق فرماتے ہیں۔ اس کا بڑا آسان سا طریقہ ہے تکلیف آئے یا آسانی اگر وہ اللہ کا جذبۂ شکر لائے اور اللہ کے قریب کرے تو یہ انعام ہے۔ دولت ملے، اولاد ہو، اقتدار ہو، عزت ہو، آبرو ہو اور بندہ اس پہ شکر ادا کرتا ہو اور اللہ کے نبیؐ کا اتباع کرتا ہو اور

رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کرتا ہو تو یہ مال و دولت اللہ کا انعام ہے۔ اگر افلاس ہے، بھوک ہے، تنگی ہے تو وہ بھی اللہ کا انعام ہے لیکن اگر وہ مال و دولت پا کر شکر کرتا ہے یا بیماری یا تکلیف یا مصیبت پا کر کفر بکنے لگتا ہے، ناشکری کرتا ہے تو یہ عذاب الٰہی ہے۔ یعنی اس کی پہچان بڑی آسان ہے کہ اگر آسانیاں ملتی ہیں اور بندہ شکر گذار ہو جاتا ہے، نیکی کرتا ہے تو یہ بھی اللہ کا انعام ہے۔ اگر آسانیاں ملتی ہیں تو برائی میں اور زور پکڑ لیتا ہے، زیادہ عیاشی کرنے لگ جاتا ہے تو یہ اللہ کا عذاب ہے۔ یہ اس کی سادہ سی پہچان ہے۔

فرمایا اگر یہ ایمان لاتے واتقوا تقویٰ اختیار کرتے۔ تقویٰ ایک بہت کثیر المعانی لفظ ہے۔ دراصل تقویٰ ایک قلبی کیفیت کا نام ہے۔ میں نے بھی اب ترجمہ کر دیا کہ پرہیز گاری اختیار کرتے تھے۔ نیک اعمال کرتے تھے۔ تقویٰ کا ترجمہ میں نے یہ کر دیا۔ اس قرآن حکیم میں انہوں نے لکھا ہے کہ اگر ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے۔ میں نے پرہیز گاری کہہ دیا انہوں نے پرہیز کہہ دیا۔ کسی اور نے اس کے نیچے ڈر لکھ دیا ہوگا۔ تو یہ تقویٰ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں یہ ساری چیزیں ہوتی ہیں، یہ سارے معنی صحیح ہیں۔ تقویٰ ایک قلبی کیفیت کا نام ہے کہ بندہ جب ایمان لاتا ہے اللہ کے نبیؐ اور اللہ کی ذات پہ اور اللہ کے نبیؐ کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے تو انبیاءؑ دنیاوی اساتذہ کی طرح نہیں ہوتے کہ الفاظ بتا دیئے اور شاگرد نے وہ الفاظ سمجھ لئے یا کسی لوہار نے فن سکھا دیا اور اس نے وہ فن سیکھ لیا۔ نہیں! نبیؐ جو بات کرتا ہے اس میں انوارات ہوتے ہیں، تجلیات باری ہوتی ہیں اور کیفیات ہوتی ہیں۔ اگر آپ زبانی وہ بات مان بھی لیں، دل میں وہ کیفیات نہ آئیں تو قرآن نے اسے منافق کہا ہے۔ منافق کا فروں کو نہیں کہا گیا۔ منافق جتنے بھی تھے سارے کلمہ پڑھتے تھے۔ لیکن دل میں وہ کیفیات نہیں آئیں۔ وہ تعلق اللہ سے، اللہ کے نبی سے نہیں بن سکا تو اطاعت الٰہی کو، اتباع رسالت کو بوجھ ہی سمجھا۔ یار یہ کیا مصیبت ہمارے گلے پڑ گئی۔ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے۔ تو اگر وہ کیفیات نہ آئیں تو خطرہ منافقت کا ہے۔

کیفیات کیا ہیں؟ کیفیات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے واضع نے کوئی الفاظ وضع نہیں فرمائے۔ یہ لکھنے پڑھنے میں نہیں آتیں یعنی جو ہماری روزمرہ کی عام کیفیات ہیں۔ اب پیاس کے بارے آپ کسی کو کتنا سمجھائیں گے کہ پیاس کیسی ہوتی ہے۔ اسے دو گھنٹے گرمی میں بٹھا دیں، پانی نہ دیں، اسے پیاس لگے تو سمجھ آ جائے گی کہ پیاس یہ ہوتی ہے، بھوک ایک کیفیت ہے، بھوک کے بارے کتابیں لکھ دیں بھوک سے یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے کیا وہ سمجھنے سے آتی ہے؟ کسی کو ایک دن بھوکا رکھیں اسے سمجھ آ جائے گی بھوک کیا ہوتی ہے۔ یعنی کیفیت جو ہے یہ الفاظ میں بیان نہیں ہوتی۔ جب بندے پر وارد ہوتی ہے اسے پتہ چلتا ہے یہ اس لفظ کا معنی ہے۔ تو نور ایمان مضبوط ہو، اس میں خلوص ہو، قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے انوارات اس کے دل میں آئیں تو اس میں اللہ کی عظمت اور نبیؐ کی عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ایک احساس پیدا ہوتا ہے کہ میرا اللہ ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ اب میں اس کے سامنے اس کی نافرمانی کیسے کروں؟ اس سے زندگی بدل جاتی ہے۔ یہ جو کیفیت ہے حضور حق کی، یہ جو کیفیت ہے عشق پیمبر ﷺ کی یہ مقصود ہے۔ دیکھو نا یہ جو محبت ہوتی ہے یہ عجیب شئے ہے۔ سادہ سی بات میں

عرض کرتا ہوں۔ ہمارے ہاں الیکشن ہوتے ہیں۔ ان کی بڑی گہما گہمی ہوتی ہے۔ میل ملاقات اور جلسے کئے جاتے ہیں، وفد بھیجے جاتے ہیں، پیسے دیئے جاتے ہیں، منتیں کی جاتی ہیں تو ووٹر کہتا ہے میرا چچا دبئی میں ہوتا ہے، میرا بھائی فرانس میں ہوتا ہے، میرا بیٹا امریکہ میں ہوتا ہے۔ اس سے بات کروں گا اگر وہ مان گیا تو میں آپ کی بات مان لوں گا۔ میں اسے ناراض نہیں کرسکتا۔ یہ جو ہمیں بھائی، بیٹے، چچا کا جو احساس ہے یہ احساس ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوجائے۔ جب کوئی کام سامنے آئے ہم سوچیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی ہوں گے تو میں یہ کام ضرور کروں گا اور اگر اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہوں گے تو میں نہیں کرتا بھئی جو جس کا جی چاہے کرلے۔ اگر یہ کیفیت آجائے تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ اسے آپ خشیت کہہ لیں، ڈر کہہ لیں، پرہیز گاری کہہ لیں، جتنے معنے کرتے جائیں۔ تقویٰ کا مطلب ایک کیفیت ہے جو قلب اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بٹتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اللہ نے فرمایا سِرَاجًا مُّنِيرًا (الاحزاب:46) ایک ایسا روشن چراغ جو روشنی بانٹتا ہے۔ مُّنِيرًا دوسروں کو منور کرتا ہے، روشن کرتا ہے۔ اس طرف سے ہمہ وقت، رات دن روشنی بٹ رہی ہے، انوارات تقسیم ہو رہے ہیں، برکات بٹ رہی ہیں۔ اب کس نے اپنا کاسئہ دل سیدھا رکھا کہ اس میں کوئی چیز آئے۔ بھئی کتنی بارش بھی ہو آپ الٹا برتن لے کر بارش میں کھڑے ہوجائیں۔ جب ختم ہوگی تو آپ کہیں گے میرے پاس تو پانی کوئی نہیں بارش ہوئی مجھے تو کچھ نہیں ملا۔ آپ نے برتن الٹا رکھا تھا اگر آپ برتن سیدھا رکھتے تو جتنا آپ کا برتن تھا وہ بھر جاتا۔ یہ معاملہ تو دنیا کا ہے۔ جو معاملہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس میں تو برتن بڑے بھی ہوجاتے ہیں۔ صرف آپ سیدھا رکھیں وہ بڑھا بھی دے گا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پہ قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

یعنی یہ وہ بارگاہ ہے کہ وہ دامن بڑھا بھی دیتے ہیں۔ وہ اپنی شان کے مطابق عطا کرتے ہیں تو اس طرف سے تو کمی کوئی نہیں۔ رات ہو یا دن ہمہ وقت ابر رحمت برس رہا ہے۔ اب ہمیں کتنا ملا یہ تو ہمیں خود سے پوچھنا چاہیے۔ یہ سوال ہمیں اپنے آپ سے کرنا چاہئیے۔ اگر ہمارا کاسئہ دل سیدھا ہے، ہمارے دل میں خلوص ہے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ تو بات بن گئی۔ اللہ کو ماننا بڑا مشکل ہے بڑا ہی مشکل کام ہے۔ انسان سارے کام بڑی آسانی سے کرلیتا ہے لیکن اللہ کو، جیسا وہ ہے اور جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منوانا چاہتے ہیں ویسا ماننا بڑے تھوڑے لوگوں کا کام ہے۔ ہمیں ایک کانٹا چبھ جائے تو اللہ نے روکا تو نہیں جائز علاج کروانے سے۔ شرعی طریقے سے کرائیں لیکن ہم شریعت کی حدود پھلانگ جاتے ہیں۔ ہم پتھر کے سامنے بھی سجدہ ریز ہوجاتے ہیں کہ یہ پتھر کانٹا نکال دے گا۔ یار یہ پتھر تمہارا کانٹا کیا نکالے گا؟ یعنی ہم نے کبھی اللہ پہ اعتماد کیا نہیں۔ پھر جتنا اس پتھر کے سامنے بیٹھ گئے تو اتنا بیٹھ کے اللہ سے کہو یا اللہ! میں اتنا کمزور ہوں، ہوسکتا ہے اس مشکل میں تیری طرف سے رحمت کا ایک انداز ہو لیکن یا اللہ میں مشکل برداشت نہیں کرسکتا مجھے آسانی دے دے اور پھر اس پہ جم جاؤ، پھر اس پہ قائم رہو۔ یہ مشکل کام ہے۔ اللہ سب مسلمانوں کا اسلام قبول کرے لیکن

بھائی زندگی کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انسان اللہ پہ اعتبار تب ہی کرتا ہے کہ اس کے دل میں وہ برکات آئیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقسیم ہوتی ہیں ورنہ میں یہ سمجھتا ہوں یہ بہت مشکل ہے۔ بندہ چپے چپے پہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ بندہ ناجائز وسائل کی طرف بھاگ پڑتا ہے۔ ضروری نہیں کہ بتوں کو ہی سجدہ کرے۔ اگر ہم غیر شرعی طریقے سے کسی انسان کی ہی منت کرتے ہیں تو یہی بت کی پوجا ہے۔ اگر ہم شریعت کے خلاف کسی افسر، کسی عہدہ دار، کسی افسر کی بھی منت کرتے ہیں تو اس سے خلاف شریعت نفع کی جو امید رکھتے ہیں تو یہی بتوں کی پوجا ہے۔ تو فرمایا اگر یہ ایمان لاتے، واتقوا اور پھر مجھ پہ بھروسہ بھی کر لیتے پھر اس پر جم جاتے۔ جان جاتے کہ ہمارا تو اللہ کے ساتھ ایمان ہے۔ جو آنا ہے اللہ کی طرف سے ہے ہم اس کا شکر ادا کریں گے۔ اگر یہ کام یہ کرتے تو میں آسمان سے بھی اور زمین سے بھی ان پر برکات کے دروازے کھول دیتا۔ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الارض آسمان سے بھی برکات نازل ہوتیں، زمین سے بھی۔

برکت کیا ہے؟ برکت کے مختلف انداز ہیں۔ اللہ کریم مال میں زیادتی کر دیتے ہیں برکت ہے، عمر میں زیادتی کر دیتے ہیں برکت ہے، صحت اچھی دے دیتے ہیں برکت ہے، اولاد دے دیتے ہیں برکت ہے، عزت و آبرو دے دیتے ہیں برکت ہے۔ اس کا انداز یہ ہوتا ہے کہ چیز تھوڑی ہوتی ہے لیکن بہت سا کام کر جاتی ہے۔ جیسے ایک کٹورے میں پانی تھوڑا سا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک اس میں رکھیں تو اس پانی سے سارا قافلہ سیراب ہوا، سارے مشکیزے بھر لئے گئے۔ پھر سارے جانوروں کو پلایا۔ اس کٹورے سے پانی ختم نہیں ہو رہا تھا۔ یہ کیا ہے؟ یہ برکت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور یہ برکت ہے کہ اس ایک کٹورے پانی میں اتنی برکت آئی کہ بڑے بڑے اونٹوں پہ لادے ہوئے مشکیزے بھرے گئے، اونٹوں کے پیٹ بھر گئے، گھوڑوں نے پی لیا، انسانوں نے پی لیا، برتن بھی بھر لئے، مشکیزے بھی بھر لئے۔ کبھی وقت میں برکت ہوتی ہے کہ وقت تو ایک گھنٹے کا ہے لیکن جو کام آپ نے کیا وہ تو آٹھ گھنٹے میں کرنے کا تھا، ایک گھنٹے میں ہو گیا، وقت میں برکت آ گئی۔ کبھی کام میں برکت ہوتی ہے۔ آپ نے محنت کی اتنے وقت میں تو دو یونٹ تیار ہونے چاہئیں تھے لیکن آپ کے پانچ تیار ہو گئے تو اس کا مطلب ہے آپ کے کام میں برکت ہو گئی۔ تو فرمایا میں ان کی زندگی میں برکات کے در کھول دیتا۔ محنت تھوڑی کرتے اجرت زیادہ پاتے، کام تھوڑا کرتے نفع زیادہ اٹھاتے لیکن شرط یہ تھی کہ ایمان لاتے اور خالی ایمان نہیں واتقوا پھر دل میں وہ کیفیت بھی آتی کہ میری عظمت اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اقرار کرتے اور اس پہ اعتماد کرتے۔ وہاں کھڑے ہو جاتے، جم جاتے۔

چناب کے ساتھ ایک قبیلہ آباد ہے۔ بڑے بڑے زمیندار ہیں۔ بڑے بڑے جاگیردار ہیں انہیں کانٹریں کہتے ہیں۔ یہ چناب کی وادی میں ہے۔ پنجابی میں جیسے ہمارے ہاں ماہیا ہوتا ہے تو وہ ڈھولا گاتے ہیں۔ چار چار مصرعوں کا ایک بند ہوتا ہے۔ ان کے گانے کا ایک خاص انداز ہے تو اسے ڈھولا کہتے ہیں۔ فصلیں تیار تھیں، گندم کی فصل تیار تھی، پکی ہوئی گندم تھی۔ اللہ کی شان بادل آیا، اس میں سے اولے برسے اور اس نے تباہ کر کے رکھ دی۔ اب

ہر بندہ بڑا مغموم تھا۔ پکی پکائی فصل تھی۔ کٹائی کچھ کی ہوگئی تھی کچھ کی ہونے والی تھی۔ ایسے اولے پڑے کہ تباہ کر کے رکھ گئے۔ تو ان کا نوکر تھا ایک وہ جو کانٹریں تھے تو اس نے ایک ڈھولا گایا۔ تو کسی زمیندار نے اسے کہا کہ شرم کرو ہم سب تباہ ہوگئے ہیں اور یہ ڈھولے تو خوشی کے موقع پہ گائے جاتے ہیں، تم ڈھولے گا رہے ہو۔ اس نے کہا بھئی اولے تو پڑے ہیں مجھے بھی پتہ ہے لیکن کانووں کے توے پہ نہیں پڑے۔ یعنی میری روٹی تو کانووں کے گھر سے آتی ہے اور ان کے توؤں پہ تو اولے نہیں پڑے۔ اگر اتنا بھروسہ ایک نوکر اپنے مالک پہ کرسکتا ہے کہ پورا ملک تو تباہ ہوگیا لیکن میرے مالک کا گھر تو آباد ہے اور اس کے تو مکان گذشتہ سال کی گندم سے بھرے ہوئے ہیں مجھے اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے میں تو ڈھولے پڑھوں گا۔ تو پھر بندے میں ایمان ہو اور اللہ پر اتنا ایمان نہ ہو تو پھر کیا ہے۔ یہ تقویٰ ہے۔ تو اگر یہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو میں آسمانوں سے بھی اور زمین سے بھی ان پہ برکات کے دروازے کھول دیتا وَلٰكِنْ كَذَّبُوا لیکن یہ ایسے بدبخت ہیں کہ انہوں نے میرے نبیؐ کا انکار ہی کر دیا۔ تکذیب ہی کر دی۔ کہا یہ جو کچھ بھی کہتا ہے جھوٹ ہے۔ کمال ہے فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ قدرت کا قانون ہے جو عمل کرتے ہو سامنے آجاتا ہے۔ پکڑے گئے اور ہم نے پکڑ لئے اور تباہ ہوگئے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ فرمایا ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کیا یہ تب مانیں گے کہ کبھی رات کو سوئے ہوں اور عذاب الٰہی آئے اور انہیں تباہ کر کے رکھ دے۔ یہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ پڑے ہوئے ہوں اور ایک زلزلہ آئے اور انہیں تباہ کر دے۔ آسمان سے کوئی مصیبت اترے، تباہ کر دے، کوئی بیماری پڑے اور انہیں مار دے۔ زمین شق ہو جائے اور یہ اس میں دھنس جائیں۔ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ اور تب مانیں گے کہ دن کو اپنے کھیل کود میں دنیاوی کام کاج میں لگے ہوں انہیں تب ہوش آئے جب تباہی آجائے اور کوئی باقی نہ رہے۔ تب مانیں گے یہ آخر۔

ہمارا آج کا مسئلہ یہی ہے۔ آج بھی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے۔ افواج کے سربراہ بھی میٹنگ کر رہے ہیں کہ دہشت گردی کے علاج کے لئے غور و فکر کیا جائے۔ ایک بات جو قرآن کریم نے بھی بتائی ہے کاش ہماری اسمبلی کے حضرات کو اور بااقتدار لوگوں کو بھی یہ نظر آجاتی۔ یہ ایسے بادشاہ ہیں کہ دو وفاقی وزراء کو تو میں نے سنا ہے کہ قل شریف پڑھا اور دونوں نے غلط پڑھا۔ جب قل شریف یاد نہیں تو اور قرآن کہاں دیکھا ہوگا۔ اللہ کریم نے ایک بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے کہ اگر تمہاری نافرمانیاں بڑھتی ہیں جَعَلَكُمْ شِيَعًا ہم جو سزا دیتے ہیں تمہیں وہ یہ ہے کہ تمہیں گروہ گروہ کر دیتے ہیں۔ مختلف الخیال گروہ بن جاتے ہیں اور ہر گروہ اپنے کو حق پہ سمجھتا ہے اور دوسروں کو واجب القتل سمجھ لیتا ہے پھر ہوتا یہ ہے کہ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (النور:40) ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگتے ہو۔ تم مارتے ہو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو۔ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ہمارا عذاب ہے۔ تم ہماری اطاعت نہیں کرتے حدود سے گذر جاتے ہو تو ہم تمہیں طبقات میں، گروہوں میں، فرقوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ لفظ شیعہ قرآن میں کوئی آٹھ، نو مرتبہ آیا۔ مجھے صحیح یاد نہیں کتنی مرتبہ آیا ہے اور شیعہ کا

لفظی ترجمہ ہے گروہ، جماعت، کوئی ایک ہم خیال طبقہ جیسے ق لیگ میں ہم خیال بن گئے۔ ایک ایسا ہم خیال گروپ، ہم خیال طبقہ جسے آپ گروہ کہیں، جماعت کہیں اسے عربی میں شیعہ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن عجیب بات ہے قرآن کریم نے کسی اچھے گروہ پر شیعہ کا اطلاق نہیں کیا۔ ہمیشہ ان گروہوں پر کیا ہے جو خرابی کرتے ہیں جیسے اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا (القصص:4) فرعون دنیا میں بہت بڑھ گیا اور بڑا سرکش ہوگیا اور لوگوں کو شیعہ کردیا۔ اس نے گروہ گروہ کردیا۔ مختلف طبقے بن گئے۔ کوئی طبقہ مالک بن گیا کوئی طبقہ غلام بنادیا۔ مالک اسے قتل بھی کردے تو کوئی پکڑنے والا نہیں۔ وہ اُف بھی کریں تو پکڑے جائیں۔ لوگوں کو گروہوں میں بانٹ دیا۔ اللہ فرماتے ہیں جب تمہاری نافرمانیاں بڑھتی ہیں تو ہم بھی تم کو گروہ گروہ کردیتے ہیں۔ ہر گروہ دوسرے کی گردن کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اب جو مار رہا ہے وہ بھی مسلمان ہے جو مر رہا ہے وہ بھی مسلمان۔ قوم کا عالم یہ ہے کہ صبح جو پہلی خبر سنی وہ یہ تھی کہ چارسدہ میں فرنٹیئر کانسٹیبلری ہے۔ وہاں دھماکے ہوئے اور وہاں کے ٹرینی (trainee) چھٹی جارہے تھے پہلے ان کی تعداد پینسٹھ بتائی جارہی تھی اور پھر ایک بجے کے قریب اندر گیا اور ٹی وی آن کیا تو کہہ رہے تھے پچاسی تو مر گئے اور کوئی اتنے یا اس سے زیادہ زخمی ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے دو سو بندہ دو دھماکوں میں مارا گیا لیکن اسی لمحے خبر ختم کر کے اچھل کود اور لڑکوں اور لڑکیوں کا اکٹھا ناچ شروع ہوگیا۔ صابن کا یہ کیا اشتہار ہے؟ یا ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار ہوگا یا کسی اور چیز کا۔ ہر اشتہار میں نیم برہنہ خاتون کو ناچتے دکھایا جاتا ہے۔ اس قوم میں کوئی شرم حیا نہیں رہی۔ دو سو بندے آن واحد میں ایک شہر میں قتل ہوگئے۔ کراچی میں کتنے مرے ہوں گے، لاہور میں کتنے مرے ہوں گے، ایکسیڈنٹ کتنے ہوئے ہوں گے، بھوک افلاس سے، خودکشی کرنے والے کتنے ہوں گے۔ آدھا ملک مر رہا ہے اور آدھا ناچ رہا ہے۔ یہ کیسی قوم ہے؟ میں سمجھتا ہوں ہمارے پاکستانیوں کو قوم کہنا غلط ہے۔ ہم ایک crowd ہیں، ایک گروہ ہیں، اژدھام ہے لوگوں کا لیکن ہر بندہ اکیلا اکیلا ہے۔ قوم تو ہوتی ہے جب افراد اکٹھے ہوں امریکہ میں ایک کتاب لکھی گئی تھی مغربی معاشرے پر اس کا نام تھا Lonely crowd اکیلے اکیلے لوگوں کا انبوہ تو سب سے زیادہ اس سال وہ فروخت ہوئی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ ہر شخص اپنا اپنا جی رہا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ہم بھی پاکستانی قوم کی بجائے lonely crowd بن گئے ہیں۔ ہمارا پاکستانی ہونے سے پہلے نقطۂ اتحاد ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو اللہ کا نہ ہو سکا اس کے نبی ﷺ کا نہ ہوسکا وہ پاکستان کا خاک ہوگا۔ جو اللہ سے وفا نہ کر سکا، جو اپنے نبی ﷺ سے وفا نہ کرسکا وہ ملک سے کیا خاک وفا کرے گا؟ تو آج پھر سر جوڑ کے ارباب اقتدار بیٹھے ہیں افسوس کر کے اٹھ جائیں گے۔ اور کیا کریں گے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ ہوگا کچھ نہیں بس یہی کہیں گے جو کچھ ہوا غلط ہوا۔ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اللہ انہیں توفیق دے تو یہ سوچ لیں کہ اللہ کی نافرمانی نہ کرو، ملک اور قوم کو کمزور نہ کرو، اپنی حدود میں آجاؤ، انصاف کرو۔ امیر غریب، نیک بد، مومن کافر ہر بندے کو عدل مہیا کرو اور ہر جگہ انصاف ہو۔ تعلیم کے حصول میں بھی انصاف ہو جہاں امیر کے بچے کے پاس وسائل ہیں وہ پڑھ سکتا ہے غریب کا بچہ بھی پڑھ سکے۔ امیر بیمار ہوتا ہے تو علاج ہوتا ہے وہاں غریب کا بھی ہو سکے۔ روزگار کی فراہمی میں انصاف کرو۔ ہر بندے کو جس میں جتنی اہلیت ہے وہ روزگار دو۔ اللہ سے توبہ کرو تو یہ سارے حالات آج بھی بدل سکتے

ہیں۔لیکن اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد:11) اللہ اس قوم کی حالت ،نہیں بدلتا جو قوم اپنی حالت نہیں بدلتی۔ بندے کا حال تبدیل نہیں کرتا جو بندہ اپنا حال تبدیل نہیں کرتا۔ایک بندہ دھوپ میں جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے یہاں سے نہیں ہلوں گا اللہ مجھ پر سایہ کیوں نہیں کرتا۔ اللہ کو کیا ضرورت ہے۔اس نے تجھے سایہ بھی دیا ہے، درخت دیئے ہیں، مکان دیئے ہیں۔تو جا کے سائے میں کھڑا ہو جا۔اگر وہ خود دھوپ سے نکل کر سائے میں چلا جائے تو اللہ اسے سائے کی ٹھنڈک بھی عطا کر دیتے ہیں یعنی اپنے آپ کو بدلنا پڑتا ہے تب حالات بدلتے ہیں۔تو فرمایا یہ تب مانیں گے کہ جب خواب میں خراٹے لے رہے ہوں؟ یہ تب مانیں گے کہ دنیا کے کاموں میں مصروف ہوں اور لہو و لعب میں لگے ہوں اور ان پر عذاب آ جائے؟اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ کیا یہ اللہ کے طریقے ، اللہ کی سنت، اللہ کے انداز، اللہ کے تجویز کردہ قوانین یہ سب انہوں نے فراموش کر دیئے ہیں؟ یہ کیوں بھول رہے ہیں۔ پانی پیتے ہو پیاس بجھتی ہے نہیں پیتے پیاس بڑھتی ہے۔کھانا کھاتے ہو بھوک مٹتی ہے نہیں کھاتے تو بھوک بڑھتی ہے۔ یہ قانون کیوں بھول جاتے ہو کہ برائی کرو گے تو مصیبت آئے گی توبہ کرو گے تو ٹل جائے گی۔یہ کیوں بھول جاتے ہو۔اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ انہیں کسی نے کہا ہے کہ اللہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جو جی چاہے کرتے رہو۔ان کے پاس کوئی امن کا سرٹیفکیٹ ہے، کسی نے انہیں سند دی ہے؟فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ اور اللہ کی تجویزوں سے صرف وہی لوگ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔ جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔اللہ کے قانون اٹل ہیں۔اللہ کے ساتھ ایمان لاؤ اور خلوص سے لاؤ۔اللہ کے نبی ﷺ پر اعتبار کرنا سیکھو، اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کرو اور نیکی کر کے بھی بخشش مانگو کہ یا اللہ میرے یہ سجدے، میری یہ نماز، میری یہ تلاوت، میری یہ دعائیں پھر بھی اس قابل نہیں کہ تیری بارگاہ میں پہنچیں۔ وہ خلوص، وہ نورانیت، وہ لطافت، وہ پاکیزگی نہیں ہے۔جیسا میں ہوں ویسی میری عبادت بھی ہے۔ بار الٰہا میں کرتو رہا ہوں تو قبول فرما، یا مجھے وہ نورانیت عطا فرما، میرے دل میں وہ نور پیدا کر، میرے دل میں وہ محبت وہ عشق پیدا کر، اطاعت کا وہ جذبہ پیدا کر جو شرف قبولیت پائے۔نیکی کر کے بخشش مانگنی چاہیے۔تم برائی کر کے اکڑتے بھی ہو۔کمال ہے یار تم نے بالکل سمجھ لیا ہے کہ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتا۔اگر ایسا ہے تو پھر بھگتو اور یہ اس طرح کا عذاب ہم پر مسلط ہے۔میری دعا ہے کہ ہمارے بڑوں کو اللہ یہ شعور دے۔خود بھی توبہ کریں اور قوم کو بھی توبہ کی دعوت دیں۔ایک علاج یہ بھی کر کے دیکھ لو۔آخر اللہ اور اللہ کے رسول نے جو فرمایا ہے وہ بھی تو علاج ہے۔یہ بھی کر کے دیکھ لو۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

دعا: اللہ کریم خلوص عطا فرمائیں۔ایمان کامل عطا فرمائیں۔ ایمان کے ساتھ زندہ رکھیں اور ایمان پہ موت نصیب فرمائیں اور ایمانداروں کے ساتھ حشر فرمائیں۔آمین

خوشخبری

حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطورِ خاص ہر دور میں صوفیاء عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرّم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کیلئے انتہائی مؤثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

Rs. 200 کلسٹرو کیئر Cholestro Care — کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے۔	Rs. 30 Cough Ez — کھانسی کیلئے گولیاں
Rs. 100 پین گو Pain Go — مالش کیلئے ہر طرح کے درد کیلئے مفید ہے	Rs. 175 کیور یکس Curex — جوڑوں کے درد اور کمر کے درد سمیت ہر قسم کے دردوں کیلئے
Rs. 500 ہیئر گارڈ آئل Hair Guard Oil — بالوں کی صحت کیلئے مفید ہے۔	Rs. 75 Detergent Super Wash
	Rs. 100 Shampoo Hair Care

ملنے کا پتہ:

دار العرفان منارہ ضلع چکوال فون 0543-562200

17-او یسیہ ٹاؤن شپ، لاہور فون 042-35182727

علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج اقبال کے شاہینوں کا مسکن راولپنڈی بورڈ اور پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق سے مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے **پوزیشن لینے والا واحد ادارہ**

پری کیڈٹ تا ایف ایس سی

صقارہ سائنس کالج

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

داخلہ جاری ہے

(پری میڈیکل، پری انجینئرنگ)	داخلہ ایف ایس سی پارٹ 1	پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت	طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام
ہاسٹل کی سہولت بہترین موسم	(صحت افزاء مقام)	شاندار مستقبل کیلئے نادر موقع	

پرنسپل حاجی محمد خان ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ (ریٹائرڈ ڈائیریکٹو آفیسر محکمہ تعلیم گورنمنٹ آف پنجاب)

مزید معلومات کیلئے براہ راست رابطہ کریں۔

صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پوری ضلع چکوال۔ فون نمبر: 0543-562222, 562200

FOR FEED BACK: SIQARIAH@SIQARAHEDU.COM, SIQARAHEDU.COM
VICEPRINCIPAL@SIQARAHEDU.COM , VISIT AT: WWW.SIQARAHEDU.COM

استقامت حق کا ایک منظر!

پس منظر: عباسی خلیفہ مامون رشید (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) بغداد میں تخت خلافت پر متمکن ہے، گرد وپیش ایسے علماء اکٹھے ہو گئے ہیں جو معتزلی عقیدے کے ہیں، اُن کے اثر سے مامون بھی معتزلی ہو گیا ہے۔ یہ لوگ حق تعالیٰ پر عذاب وثواب واجب مانتے اور صفات الٰہی کو مخلوق و حادث جانتے اور خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں۔ کلام اللہ بھی چونکہ صفت ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک مخلوق ہے۔ بعد کو مامون کا غلو اس میں اتنا بڑھتا ہے کہ دوسرے مسلمان کو مشرک قرار دیتا ہے اور رقہ سے بغداد کے کوتوال اسحاق کو احکام بھیجتا ہے کہ علمائے بغداد میں جو قرآن کے مخلوق ہونے سے انکار کریں ان کو پابہ زنجیر روانہ کر دیا جائے۔ جان کس کو پیاری نہیں ہوتی، جان کے خوف سے چار کے سوا تمام علماء جبراً وقہراً حکومت کی ہمنوائی کرتے ہیں۔ بالآخر اُن میں سے بھی دو ہمت ہار جاتے ہیں، اور صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن نوح رحمۃ اللہ علیہ جاتے ہیں۔ ان کو مقید کر کے مامون کے حضور میں بھیج دیا جاتا ہے۔

اثنائے راہ میں ایک شخص ابوبکر نامی دریافت کرتا ہے۔ "احمد! اگر خلیفہ تمہارے قتل پر آمادہ ہو گیا تو کیا تم اس کی بات مان لو گے؟ جواب دیتے ہیں "نہیں"۔ اسی طرح ایک اعرابی جابر بن عمار ملتا ہے اور کہتا ہے۔ "دیکھو! ایک دن تو مرنا ہے، اگر آج حق کی حمایت میں مارے گئے تو سیدھے جنت میں جاؤ گے"۔ جب آگے بڑھتے ہیں تو ایک شخص آ کر مامون کے مرنے کی خبر دیتا ہے۔ امام کہتے ہیں "میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ مامون کا، میرا سامنا نہ ہو"۔ اس اثناء میں آپ کے رفیق کار محمد بن نوح رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرماتے ہیں اور امام قید میں تنہا رہ جاتے ہیں۔ علماء کا ایک وفد حاضر ہو کر رخصت کی احادیث پیش کرتا ہے، جواب دیتے ہیں "کیا تم وہ احادیث بھول گئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ تم سے پہلے جو لوگ ہو گذرے ہیں اُن کے جسموں کو آرے سے چیرا جاتا تھا پھر بھی وہ دین سے نہ پھرتے تھے، مجھے تو دراصل نہ قید کا ڈر ہے نہ قتل کا، البتہ کوڑوں کی سزا سے ہول آتا ہے"۔ اس وقت ایک قیدی کہتا ہے۔ "یا اباعبداللہ! دو کوڑوں تک تو تکلیف کا احساس رہتا ہے پھر ہوش بھی نہیں رہتا کہ کہاں ضرب لگی" اس پر آپ مطمئن ہو جاتے ہیں۔

امام کی وضع قطع کے بارے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ آپ خوش رو، گندمی رنگ، میانہ قد ہیں۔ موٹا مگر سفید لباس استعمال کرتے ہیں۔ سر پر عمامہ ہے اور جسم پر قمیض اور پاجامہ۔ جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں آپ کی عمر 54 سال ہے اور قویٰ معمولی۔ مامون آخر وقت اپنے بھائی اور جانشین معتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) کو وصیت کر جاتا ہے کہ خلق قرآن سے انکار کرنے والوں کے ساتھ تشدد کیا جائے۔ چنانچہ امام احمد کو قید خانے میں طلبی کا حکم پہنچتا ہے معتصم کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ یہ ایک قوی اور بہادر انسان ہے جس

کے چہرے سے ہیبت ٹپکتی ہے۔ بے علم اور سخت مزاج ہے، شاہی دربار پوری سطوت و جبروت کے ساتھ آراستہ ہے۔ امراء ادب سے اپنے اپنے مقام پر حاضر ہیں، خلیفہ کے قریب ہی مشہور معتزلی عالم دربار احمد بن ابی داؤد بیٹھا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حالت میں آئے ہیں کہ ہر پاؤں میں دو دو بھاری بیڑیاں ہیں، اور منہ میں روزہ ہے۔ بیڑیوں کے بوجھ اور کمزوری سے قریب ہے کہ گر پڑیں اس لئے بیڑیوں کو کمر بند سے باندھ کر اٹھائے ہوئے ہیں بالآخر گفتگو ہوتی ہے۔ معتصم: (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا میرے قریب آؤ، اور قریب آؤ، بیٹھو

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (بیٹھ کر) کیا مجھے بولنے کی اجازت ہے؟ معتصم اجازت ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کس امر کی دعوت دی تھی؟

معتصم: (تھوڑے تامل کے بعد توحید کی گواہی کی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے علاوہ امیر المومنین کے جد امجد حضرت عباسؓ کی روایت کردہ حدیث پر میرا مدار ہے، جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ توحید و رسالت کی گواہی دو اور زکوٰۃ و خمس ادا کرو۔

معتصم: (متاثر ہو کر) کیا کروں اگر یہ معاملہ میرے عہد سے پیشتر نہ چھڑ گیا ہوتا تو میں تم سے ہرگز تعرض نہ کرتا (علمائے دربار خصوصاً عبدالرحمان بن اسحاق سے مخاطب ہو کر) تم لوگ احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کرو۔

عبدالرحمان: (امام سے) تم قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: اللہ کے علم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ (عبدالرحمان سکوت اختیار کرتا ہے)

ایک اور عالم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شیء (اللہ ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے) اور قرآن بھی شئے ہے، لہٰذا قرآن بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: نے یہ بھی فرمایا ہے تدمر کل شیء بامر ربها (وہ آندھی ہر شئے کو اپنے مالک کے حکم سے تباہ کر دے گی) چنانچہ جب قوم عاد پر آندھی آئی تو اس نے ہر شئے کو تباہ کر دیا بجز اس کے جس کو اللہ نے بچانا چاہا۔ مراد ہے کہ "شئے" میں استثناء بھی ہو سکتا ہے۔

ابن ابی داؤد: (غصہ میں) یا امیر المومنین! واللہ یہ شخص گمراہ، گمراہ گر اور بدعتی ہے۔

معتصم (امام سے): احمد تمہیں کیا ہو گیا ہے، یہ کیا کہتے ہو؟

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: کتاب الٰہی یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی دلیل دو، تو میں قائل ہو جاؤں۔

معتصم: یا ابا عبداللہ! تم ابن ابی داؤد سے کیوں بحث نہیں کرتے؟

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: اس کو اہل علم میں شمار نہیں کرتا جو اس سے بحث کروں۔

معتصم: واللہ، اگر تم میری بات مان لو تو میں اپنے ہاتھ سے تمہاری زنجیر کھول دوں، اور تمہاری خدمت کروں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: جتنی میں اپنے بیٹے ہارون پر شفقت کرتا ہوں اس سے زیادہ تم پر کرتا ہوں بولو کیا کہتے ہو؟

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت دو تو مانوں۔

(اس پر معتصم برہم ہوتا ہے، اس کے حکم سے لوگ اٹھ جاتے ہیں اور احمد اور عبدالرحمٰن رہ جاتے ہیں)

عبدالرحمٰن: امیرالمومنین، میں ان کو تیس برس سے جانتا ہوں یہ آپ کی اطاعت اور آپ کی معیت میں حج و جہاد کے قائل ہیں۔
معتصم: بے شک یہ عالم وفقیہ ہیں، ایسا شخص میرے پاس رہے تو کیا برائی ہے؟ (امام سے) تم صالح رشیدی کو جانتے ہو، وہ میرا استاد تھا، ایک دفعہ میں نے قرآن کی نسبت سوال کیا، جس پر اس نے مجھ سے اختلاف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اس کو سخت تعزیر دی۔ تم اب بھی میری بات مان لو تاکہ میں اپنے ہاتھ سے تمہیں قید سے رہا کردوں، ورنہ مجھے قرابت نبوی کی قسم! میں تمہیں بری طرح پٹواؤں گا۔
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم دکھاؤ۔ (بحث طول کھینچتی ہے، معتصم بگڑ کر اٹھ جاتا ہے امام ابن حنبل تاریک حجرے میں مقفل کردیئے جاتے ہیں، شام کو افطار کے وقت کھانا آتا ہے مگر آپ واپس کردیتے ہیں، شب میں معتصم کے حکم سے ابن ابی داؤد آکر سمجھاتا ہے)
ابن ابی داؤد: مجھے تمہاری گرفتاری کا رنج ہے۔ یاد رکھو! امیرالمؤمنین نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں سخت مار لگائیں گے اور ایسی جگہ قید کردیں گے جہاں سورج کی روشنی کو ترس جاؤ گے۔
(امام کوئی جواب نہیں دیتے اور وہ چلا جاتا ہے، صبح کو پھر دربار میں طلبی ہوتی ہے اور مناظرے کا بازار گرم ہوتا ہے مگر بے سود۔ اگلے روز پھر حاضری کا حکم آتا ہے، امام محافظ سے ایک ڈوری مانگ کر اس سے بیڑیوں کو باندھ لیتے اور کمر بند پاجامے میں ڈالتے ہیں کہ مبادا ضرب تازیانہ سے ستر کھل جائے۔ آج دربار کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، کئی جلاد نیزے، تلواریں اور کوڑے لئے کھڑے ہیں۔ معتصم وہی بات دوہراتا ہے، اور وہی جواب پاتا ہے)۔
معتصم: (بگڑ کر) ان کو پکڑ کر گھسیٹو اور کپڑے اتارلو۔ (حکم کی تعمیل ہوتی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک ہے جس کو آپ قمیض کی آستین میں چھپا لیتے ہیں۔ بعض لوگ قمیض کو پھاڑنا چاہتے ہیں مگر معتصم روک دیتا ہے۔ پھر قمیض اتاری جاتی ہے اور عقابین اور تازیانے منگائے جاتے ہیں۔ جب امام عقابین میں لٹکائے جانے پر بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔ تو معتصم جیسے سنگ دل کو بھی رحم آجاتا ہے)۔
ابن ابی داؤد: حضور! اگر آپ نے احمد کو چھوڑ دیا مامون کے مذہب کو چھوڑا، اور اس کی وصیت سے منہ موڑا
(اس پر معتصم مشتعل ہوجاتا ہے)
معتصم: (جلادوں سے) بڑھو تم میں سے ہر شخص پوری قوت سے دو دو کوڑے لگائے اور پیچھے ہٹ کر دوسرے جلاد کو موقع دے۔ (جلاد تعمیل کرتے ہیں) معتصم ہر جلاد سے کہتا ہے، زور سے مار خدا تیرے ہاتھ قطع کرے۔ انیس کوڑے لگائے جاچکے ہیں، امام ہر ضرب پر اللہ کا نام لیتے اور القرآن کلام اللہ غیر مخلوق کہتے ہیں)۔
معتصم: احمد! کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، مجھے تم پر رحم آتا ہے۔
خوشامدی درباریوں میں سے ایک (تلوار کا قبضہ چبھو کر) احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی من مانی کر کے رہو گے؟ اور کسی کی بات نہ سنو گے۔
دوسرا: خلیفہ وقت کھڑے ہیں اور تم اپنی ضد پر قائم ہو۔
تیسرا: یا امیرالمومنین! اس شخص کو قتل کیجئے، عذاب وثواب میری گردن پر۔
چوتھا: غضب خدا کا۔ سرکار (معتصم) روزے سے ہیں اور دھوپ میں کھڑے ہیں۔

پانچواں: احمد رحمۃ اللہ علیہ تمہارے رفقاء میں کس نے یہ ضد کی جو تم کر رہے ہو۔

(خلیفہ پھر سمجھاتا ہے، مگر جواب نفی میں پاتا ہے)

تازیانوں کی ضرب برابر پڑ رہی ہے، یہاں تک کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بے ہوش ہوجاتے ہیں، بیڑیاں الگ کردی جاتی ہیں۔ جسم مبارک کو زمین پر ڈال کر بوریے سے ڈھک دیا جاتا ہے، ہوش آنے پر ستُو پیش کئے جاتے ہیں، مگر وہ صاحب عزیمت یہ کہہ کر واپس کردیتا ہے کہ میں روزہ نہیں توڑ سکتا۔ مجلس میں پہنچنے پر برف کا پانی لایا جاتا ہے، مگر وہ بھی نظر التفات سے محروم رہتا ہے۔ اتنے میں نماز کی اذان ہوتی ہے، ابن سماعہ نماز پڑھاتے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اقتداء فرماتے ہیں)۔

ابن سماعہ: احمد تمہارے جسم سے خون جاری ہے تمہاری نماز کیوں کر ہوئی؟

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ: حضرت عمرؓ جب زخمی کئے گئے تھے تو ان کے جسم سے بھی خون بہتا تھا، اور اسی حالت میں انہوں نے نماز ادا کی۔ اس کے بعد معتصم نے ہار کر آپ کو رہا کر دیا کیوں کہ پبلک کے اجتماع سے اس کو اندیشہ ہو گیا تھا۔

یہ تھی ایک جھلک اس استقامت علی الحق کی جس کا مظاہرہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ درحقیقت صداقت، جرأت اور بھوک پیاس اور جسمانی ضرب میں استقامت کی ایسی مثالیں تاریخ میں کمیاب ہیں خود معتصم کے باڈی گارڈ کا بیان ہے کہ میں نے احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسا ثابت قدم اور بلند حوصلہ شخص نہیں دیکھا، اُس روز ان کی نظر میں ہم لوگوں کی وقعت مکھی سے زیادہ نہ تھی۔ جلاّد نے اعتراف کیا کہ میں نے ان کو اسی (80) کوڑے اس شدت سے مارے کہ اگر ہاتھی کو مارتا تو وہ دھم سے گر جاتا۔

اس ابتلاء کے بعد لوگوں نے امام علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ آپ معتصم کے لئے بددعا کیجئے۔ ارشاد ہوا کہ جو ظالم کو بددعا کرے وہ صابر نہیں۔ اس کے علاوہ میں نے اس کو معاف کردیا تھا کیوں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

(القرآن حکیم)

''جو کوئی معاف کردے اور صلح کرلے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے''۔

اگر ایسے موقع پر امام ممدوح رخصت پر عمل کر لیتے تو بظاہر جائز تھا مگر آپ جانتے تھے کہ یہ ایک دینی مسئلہ ہے، اور آپ کی حیثیت ایک مقتدا کی ہے، اور اس عہد میں اس جہاد کے لئے آپ سے بڑھ کر حق پر کون ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جب کسی شخص نے آپ سے کہا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو آپ نے فرمایا اچھا! باہر جاؤ اور جو دیکھو وہ آ کر مجھے بتاؤ۔

اس شخص نے آ کر کہا کہ ہزارہا مخلوق خدا ہاتھوں میں قلم دوات اور کاغذ لئے باہر اس انتظار میں کھڑی ہے کہ امام جو مسائل بیان فرمائیں قلم بند کرتے جائیں یہ سن کر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مجھے قتل ہونا گوارا ہے مگر اتنے بندگان کا گمراہ ہونا گوارا نہیں۔

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور ان کے جواب

28 اگست 2011ء

سوال: مشائخ اورصوفیاء نے لاکھوں انسانوں کومتاثر کیا مگر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ behaviour.attiude کے نصاب میں ہماری یونیورسٹیاں ان سے کوئی استفادہ نہیں کرتیں بلکہ اگر کوئی اپنی تحقیق کرنا چاہے تو اسے منع کر دیا جاتا ہے یہ رویہ کیسے بدلہ جائے کہتے ہیں مشائخ صوفیاء کو ہر کوئی نہیں مانتا اس لئے ان کا علم controversial یعنی متنازعہ ہے۔

جواب: بات یہ ہے کہ اسی سرزمین میں جب مسلمان حکمران تھے جو سات صدیاں حکمران رہے ان میں نیک بھی تھے اور ایسے بھی تھے جن کا رجحان نیکی کی طرف کم اور برائی وزیادتی کی طرف زیادہ تھا ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ بادشاہ آئیں گے ان میں بھلے بھی ہوں گے برے بھی ہوں گے تمام بادشاہوں میں ایک بات قدر مشترک تھی اور وہ تھی دین پر اعتماد اور دین کا اتباع۔ اس سرزمین میں مسلمانوں کے عہد میں ایسے حکمران بھی ہوئے ہیں جو بہت ظالم تھے لیکن انہی کے دور میں اللہ کے ایسے بندے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے ان کے ہاں روز بروز انہیں ٹوکا اور سچ کا اعلان کیا جان گنوادی لیکن حق بات ضرور کی اور جب ان کی جان گئی تو لاکھوں جانیں میدان میں آ گئیں اور بادشاہ کو جھکنا پڑا تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے ایک بزرگ فیروز تغلق کے زمانے میں تھے پہلوانی کیا کرتے تھے اور مانے ہوئے پہلوان تھے کسی اللہ کے بندے سے رابطہ ہو گیا اللہ اللہ سیکھی پھر علم حاصل کیا ور علم میں اعلی مقام پایا شاہی دربار میں پہنچے فیروز تغلق بہت سخت گیر حکمران تھا اس نے دربار میں بیٹھے ہوئے کہا دنیا کا نظام ایسا ہے کہ ہر چیز آتی بھی ہے اور چلی بھی جاتی ہے فصلیں اُگتی ہیں پلتی ہیں رک جاتی ہیں قحط سالیاں آتی ہیں پھر بارشیں ہوتی ہیں درخت اُگتے ہیں کٹ جاتے ہیں پھر اگتے ہیں انسان پیدا ہوتے ہیں مرجاتے ہیں مزید آجاتے ہیں اس سارے نظام میں تسلسل ہے تو یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ نبوت ختم ہوگئی اور اب کوئی نبی نہیں آئے گا اس کا بھی تسلسل ہونا چاہیے نبوت کو بھی جاری رہنا چاہیے یہ نظام قدرت کا تقاضا ہے انہیں وہ بات اس قدر تکلیف دے گئی انہوں نے اٹھ کر جو جملہ کہا وہ فارسی کا تھا کیونکہ درباری زبان فارسی ہوا کرتی تھی انہوں نے اٹھ کر کہا ''گومخور'' اس کا اردو ترجمہ ہے ''بادشاہ غلاظت نہ کھا'' تو بادشاہ بہت برہم ہوا اس نے حکم دیا کہ ان کی زبان کھینچ دی جائے چنانچہ ان کی زبان گدی سے کھینچ کر نکال دی گئی اور وہ شہید ہو گئے لیکن اس کے بعد بادشاہ کو یہ جملہ دہرانے کی جرات نہیں ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کا ایک تعلیمی نظام تھا ملک بھر میں جابجا یونیورسٹیاں تھیں انہیں جامعات کہا جاتا تھا اب تو جہاں جمعہ ہوتا ہے ہم اسے جامع مسجد کہہ دیتے ہیں جامعہ کا معنی unversity ہے ایسی جگہ جہاں ہر شعبہ زندگی کے تمام علوم وفنون سکھائے جاتے ہیں اسی برصغیر میں ہمارے جو مدارس یونیورسٹیاں اور جامعات تھیں ان کو مسلمان حکمرانوں نے جاگیریں عطا کی تھیں انکا gorvening

بورڈ ہوتا تھا زمینوں اور جاگیروں سے جو آمدن آتی اسی سے عمارتیں بنتی تھیں اسی سے بچوں کا خرچ چلتا تھا ان کا لباس کتابیں خوراک سب کچھ یونیورسٹی مہیا کرتی تھیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ عام آدمی سے لے کر بادشاہ تک کا بیٹا اسی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تعلیم کا ایک معیار تھا ان یونیورسٹیوں میں سے جرنیل بھی آتے تھے وزرائے سلطنت بھی وہیں سے نکلتے تھے حکیم اور طبیب بھی وہیں سے آتے تھے علماء اور مفتی اور محدث اور مفکر بھی وہیں سے آتے تھے تو وہی یونیورسٹیاں تصوف اور راز کار بھی سکھاتی تھیں اور صوفی بھی انہی یونیورسٹیوں کے فاضل ہوتے تھے جب برصغیر پر انگریز کا غلبہ مکمل ہوا دہلی میں جہاد ہوا جسے ابھی تک ہمارے کتابوں میں غدر ہی کہتے ہیں آخری جنگ تھی جس میں مسلمانوں کی قوت مدافعت ختم ہوگئی پھر جب تک پنجاب پر رنجیت سنگھ قابض رہا تب تک انگریزوں نے نہیں چھیڑا اس کے مرنے کے بعد سکھوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی انگریزوں نے حملے کر دیے بڑی لڑائیاں ہوئیں سکھ بڑے جم کر لڑے لیکن پھر پنجاب بھی فتح ہونا شروع ہوگیا حسن ابدال کے قریب آپ میں سے کسی کو یاد ہوگا کہ مغرب کی طرف کٹی ہوئی پہاڑی ہے مغرب کی طرف جو ڈھیری ہے وہاں بڑا مینار ہوا کرتا تھا اور مشرق کا جو کٹاؤ ہے اس میں بھی ایک فریم بنا ہوا تھا اس میں اس کی تاریخ اور ہسٹری لکھی ہوئی ہوتی تھی اب جرچ کی توسیع ہوئی تو وہ آثار مٹا دیئے گئے جہاں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان بڑی جنگ ہوئی تھی انگریزی فوج کا ایک جرنیل جو کمانڈ کر رہا تھا وہ اس پہاڑی پر کھڑا تھا ایک مسلمان توپچی تھا توپچی کو برق انداز کہتے تھے اس کا نام کالا خان تھا وہ اپنے فن میں اتنا ماہر تھا کہ اس نے مسلمانوں کے کیمپ سے نشانہ لگا کر توپ داغی تھی اور وہ جرنیل وہاں واصل جہنم ہوگیا کالا خان گرفتار ہوا اور پھر انہوں نے اس پر مقدمہ چلا کر جنگی جرائم میں اسے سزائے موت دی یوں انگریزوں نے وہ مینار اپنے جرنیل کی یاد میں بنایا تھا اور نیچے ہسٹری لکھی تھی میں جب بھی وہاں سے گذرتا تھا تو مجھے کالا خان بہت یاد آتا تھا برصغیر میں سب سے پہلا کام جو انگریزوں نے کیا وہ یہ تھا کہ نظام تعلیم بدل دیا میرے پاس اس رپورٹ کی نقل پڑی ہے جو ایک انگریز Lord نے انگیزوں کی اسمبلی میں پیش کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ میں نے ہندوستان میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک سفر کیا ہے I found no thief no beggar یعنی پورے ہندوستان میں مجھ کوئی ایک چور نظر نہیں آیا کوئی ایک گداگر نظر نہیں آیا حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کو گئے اور کمزور ہوئے ایک عرصہ ہو چکا تھا جب انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو مسلمان چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تھے بہادر شاہ ظفر کی حکومت صرف قلعہ دہلی تک محدود تھی اور قلعہ کے اندر بھی کوئی ان کی بات نہیں سنتا تھا ان کی ایک پھوپھی تھیں ان کا کہا مانا جاتا تھا اتنے ادبار کے بعد اور اتنے زوال کے باوجود برصغیر کی حالت یہ تھی کہ کوئی چور نہیں تھا اور کوئی گداگر نہیں تھا یہ اس انگریز کی گواہی ہے پھر آگے اس نے کہا کہ اس ملک میں مسلمان ہیں جن کی یہاں حکومت رہی ہے اب جن کی حکومت نہیں رہی ہے جن سے ہم نے ملک چھینا ہے ان کا آج بھی literacy rate چوراسی فیصد ہے یعنی چوراسی فیصد پڑھے لکھے صاحب علم لوگ ہیں تو اس قوم پر غلبہ پانا ممکن نہیں جس کی مالی حالت اتنی مستحکم ہو کہ کوئی گداگر نہ ہو کوئی چور نہ ہو اور علمی حالت یہ ہو کہ چوراسی فیصد اہل علم ہوں اب ہماری شرح خواندگی کا معیار یہ ہے جس کو اپنا نام لکھنا آتا ہے اس کو پڑھا لکھا شمار کرتے ہیں اس وقت شرح خواندگی کا معیار پڑھا لکھا اور عالم ہوتا تھا تب عوام پڑھے لکھے باشعور اور علماء فاضل لوگ تھے دوسری بات جو اس

نے پیش کی وہ یہ تھی کہ اگر ہمیں برصغیر پر حکومت کرنی ہے تو ان کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑنا ہوگا اور یہ ریڑھ کی ہڈی ان کا نظام ہے لہذا ضروری ہے کہ ان کے تعلیمی مراکز کو ختم کر کے ایسے مراکز بنائے جائیں جو ہماری تہذیب کے دلدادہ ہوں ہمارے کردار سے متاثر ومرغوب ہوں اس کی تعریف کریں اور مسلمان حکمرانوں اور مسلمان علماء کے کردار پر تنقید کریں اور ان کے ذہن میں ہماری تہذیب کی برتری بٹھا دی جائے چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ لارڈ میکالے نے ایک نصاب بنایا جس میں برائے نام اسلامی تعلیمات بھی رہنے دیں لیکن اسلامی روح نکال دی۔ مدارس کی سرکاری امداد بند کر دی ان کی جاگیریں چھین لیں آپ کو حیرت ہوگی کہ وہ جاگیریں جو ان سے چھینی گئیں وہ ان غداروں کو دی گئیں جنہوں نے اس جنگ میں اس جہاد میں انگریز کا ساتھ دیا اور قوم وملک سے غداری کی۔ وطن عزیز میں آج جو بڑے بڑے جاگیردار ہیں یہ انہی لوگوں کی اولادیں ہیں جو آج بھی ہمارے سروں پر بیٹھے ہیں پنجاب میں تقریباً اسی 80 فیصد جاگیرداروں کو جو جاگیریں دی گئیں وہ وہی تھیں جو یونیورسٹیوں اور دینی مدارس سے چھینی گئیں اور صرف آج بھی جاگیرداروں کے پاس ہیں اور چونکہ فارسی سرکاری زبان ہوا کرتی تھی اس کی جگہ انگریزی نے لے لی اور یہ بھی قانون بنا دیا کہ دینی مدارس کے پڑھے لکھے افراد کو سرکاری ملازمت نہ دی جائے چنانچہ یہ اس وقت محاورہ بن گیا تھا ''پڑھیں فارسی بیچیں تیل'' کہ دینی مدارس سے جو پڑھ کر آتا ہے وہ تیل ہی بیچتا ہے اس کو کوئی سرکاری نوکری نہیں ملتی یہ محاورہ بن گیا تھا آج بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے دین کے ظاہری علوم کا یہ حشر کیا گیا تو تصوف کا تو نام ہی مٹا دیا گیا بلکہ صوفیاء کیلئے آپ نے جو لفظ لکھا ہے Controversial تو تصوف کو جان بوجھ کر Controversial بنایا گیا ورنہ پوری امت میں ہمیشہ صرف ایک ہی طبقہ غیر متنازعہ رہا ہے جو صوفیاء کا ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو بات علماء ظواہر سے نہیں ہوتی تھی ہمیشہ وہ مسئلہ صوفیاء کے پاس جاتا اور جو وہ کہہ دیتے اس پر ہمارے متفق ہو جاتے یعنی تب صوفیاء Controvercy ختم کرنے کیلئے ہوتے تھے لیکن جب ظاہری علوم دینیہ کا یہ حال ہوا تو پھر تصوف کو کون پوچھتا ہے تصوف کیلئے خاص طور پر یہ کام کیا گیا کہ اسے متنازعہ فی بنا دیا جائے اس پر اتنے اعتراضات کئے جائیں کہ اسے Controversial قرار دیا جائے پھر یہ اہتمام کیا گیا کہ نقلی صوفی بنائے جائیں جو بدعات کو رواج دیں اور یہ باقاعدہ بنائے بھی گئے جن لوگوں نے صوفیوں اور علماء حق پر کفر کے فتوے دیے ہیں یہ بنائے گئے تھے ورنہ صوفیاء تو انگریز کے آنے سے پہلے بھی اسی برصغیر میں تھے تب تو کوئی صوفیوں پر فتویٰ نہیں دیتا تھا تب تو سب احترام کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ کے خاندان پر ان کے زمانے میں کوئی کفر کا فتویٰ نہیں دیتا تھا یہ جو بعد میں انگریز نے جعلی صوفیوں کی ایک نئی فوج پیدا کی انہوں نے فتوے دیئے اور اس بات پر اتنا پختہ کر دیا کہ میں ایک آدمی کی بات سن رہا تھا جو یوں تو ہمارے ملک کا بڑا نامور فاضل آدمی ہے تو وہ اپنی تحریر کے بارے کہہ رہا تھا کہ میرے اس مضمون میں تصوف کی اصطلاحات ہیں اور اس کے بعد اس نے دہرایا کہ تصوف میں Mysticism ہیں آپ اندازہ لگائیں کہ ہمارے یہ جو آج کل کے فاضل ڈاکٹر پی ایچ ڈی ہیں یہ تصوف کو فسوں گری کہتے ہیں Mysticism اور کیا ہوتا ہے یعنی سادہ یا عام الفاظ میں اس کا معنی جادو، شعبدہ بازی ہے تو جب آپ تصوف کو اس درجے پر لے گئے جیسے شعبدہ بازی کہتے ہیں تو پھر ایسے تصوف میں اور شعبدہ بازی میں

کون پی ایچ ڈی کرے گا کون سی یونیورسٹی اسے اجازت دے گی اور تب سے اب تک ہمیں کہا یہ جاتا ہے کہ ہم آزاد ہو گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے جو میں سمجھتا ہوں میں باوضو منبر رسول پر اللہ کے گھر مسجد میں بیٹھا ہوں دیانتداری سے جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم آزاد نہیں ہوئے 14 اگست 1947 کا آزادی کا دن نہیں تھا مالکوں کی تبدیلی کا دن تھا ہمارے مالک بدل گئے انگریز چلے گئے اور جو انگریز وں کے غلام ، پجاری، ملک کے غدار اور دینی جائیدادوں کو چھین کر اپنی جاگیریں بنانے والے لوگ تھے ان کی نسل ہم پر مسلط کر دی گئی انگریز تو ایک کمزور طبقہ تھا امریکہ طاقتور تھا انگریز نے انہیں بنایا اس لئے تھا کہ ان کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں رہے گی لیکن چونکہ امریکہ طاقت ور تھا رسی اس نے چھین لی اور جو انگریز کے پیدا کردہ لوگ تھے وہی آج بھی ہم پر حکمران ہیں اور ان کی ڈور امریکہ بہادر کے ہاتھ میں ہے اگر ہم آزاد ہوتے تو پھر ہم سب سے پہلا کام یہ کرتے کہ ہمارا جو تعلیمی نصاب تباہ کیا گیا تھا اسے بحال کرتے ہندوستان میں ایک نظام تھا جو پورا اسلامی تھا عدالتی بھی، سیاسی بھی اور معاشی بھی۔ آپ نے انگریز کی آمد سے قبل اسلامی ریاست میں سود یا سودی کاروبار کا بینک کا نام سنا تھا؟ ہندوؤں میں سود تھا مسلمانوں میں نہیں تھا پھر انگریز کے معاشی نظام کے نفاذ سے معیشت سودی ہو گئی اب کسی کو تباہ کرنے کیلئے لقمہ حرام کھلا دینا ہی کافی ہے یعنی آپ کسی کا اخلاق تباہ کرنا چاہتے ہیں آپ کسی کا کردار تباہ کرنا چاہتے ہیں کسی کا ایمان لوٹنا چاہتے ہیں تو اسے لقمہ حرام کھلانا شروع کر دیں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں باقی سارا کام وہ لقمہ حرام کر دے گا۔

جاری ہے۔

پریشان حال مخلوقِ خدا کے لئے

ڈینگی بخار کا رُوحانی علاج

فی سبیل اللہ

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا

دَم شدہ نمک۔ صرف ایک چٹکی ہی کافی ہے۔ ان شاء اللہ

ساتھیوں سے گزارش ہے کہ نمک لے کر مریضوں تک خود پہنچائیں

رابطہ برائے نمک۔ 17-اویسیہ سوسائٹی لاہور
042-35182727 - 0321-4762621
0300-8407722 - 0321-8407722

the pictures of Allama-rua where he has a beard, even Allama-rua son disliked it. This is also possible that Allama-rua did not get himself photographed with a beard but if such pictures are present then it means that it is not being shown. However, regarding the explanation of the above verse from Allama-rua's poem, I can simply say that it presents a great idea about a Muslim and a believer, which actually has made the verse a bit complex to be understood by the ordinary reader and even more demanding for a believer who desires to follow the Commandments of Allah-swt. Here Allama Iqbal-rua states that, 'A Momin or a believer looks like as if he only reads the Quran and recites its verses but in reality he doesn't merely read the Quran; rather his every action is representing the reality of each verse of Quran.' This entails the reality that even if he thinks, he thinks according to Quran, he converses according to Quran, makes relations according to Quran, earns his livelihood according to Quran and worship as ordered in Quran. In short his every action is in such a synchrony to the Holy Quran that it looks like as his whole life is a detailed commentary of the Holy Quran. This is what Iqbal-rua has stated in his above verse, as it looks like if a believer only reads the Holy Quran, but in reality his whole life is a detailed explanation of it, and his every action is according to the orders of Quran. Indeed this verse has explained the fundamental requirement to understand the essence of the message of Quran, and a comprehensive definition of a believer has been presented in two short sentences. The interpretation of the meaning of a believer has been presented by stating that his thoughts, his beliefs, actions and feelings are according to the Holy Quran. Isn't it true that after reading and learning about this verse of Allama Iqbal-rua, difficulties and hardships have appeared in becoming a true believer? Because if a true believer is the only one who spends his whole life according to Quran, then presently our situation is worth noting. The reality indeed is that, a true believer is the only one whom when we see, can say that this man is the real symbol of the true orders of Shariah.

The next question, put forth by a friend is similar to the first one. He has asked that 'Is it possible that a person is given the Spiritual Oath on the blessed hands of the Holy Prophet-saws other than the method currently in practice in our Silsilah? This is because somebody has said that he has been given the spiritual oath and other higher spiritual stations without being present in Dar-ul-Irfan or without the physical presence of the Shaikh. Please guide us!'

To be Continued

Shariah and do good things, it is also Barkat and not Tawajjuh. Barkat is always from the domain of Allah-swt's will and not by the intention of any other person.

Here a friend has given me another question in written form. He has written a verse from one of Allama Iqbal-rua's poem and has asked for its explanation; the verse reads like this in Urdu;

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

First of all, I don't know since when have you started to regard me as a poet or a literary person. The job of discussing poetry and literary delicacies is the business of poets, authors and literary people, who shave their faces, remain in a stuporous kind of deep thought and look like intellectuals. Such people have their own attire, their own lifestyle and a particular kind of company they keep. They are usually called thinkers or intellectuals and they should be consulted for understanding the literary work. I think I do not fulfil all those criteria, do I? However, as far as I know about Allama Iqbal-rua and his poetry, there is a portion of which is not published, where no particular ideology or theme can be seen. During those times he was even deviated towards Shi'ism and more precisely speaking, he even remained and practiced Shi'ism upto some extent. Later on Allah-swt blessed him with righteousness, and I have learned that he used to recite Darood Shareef a lot and it is also in my knowledge that he recited hundred million times Darood Shareef. After this his famous published works was simply a poetic copy of Quran and Hadith. It was a great blessing upon him, and to tell you one important fact, Allama Iqbal-rua also kept his beard and used to do Allah-swt's zikr and recited Darood Shareef and tried to follow the Shariah in its entirety. It is a great calamity that we have not been shown any of his pictures in which he has a beard. One of our relatives who used to perform zikr with us, Hakeem Haji Khuda Bukhsh-rua, may Allah-swt showers His-swt blessings upon him-rua was a steadfast and devoted zakir. He used to make handmade prayer rugs and other household items and then he would take it to Lahore for selling it. He told me that when the demise of Allama Iqbal-rua was announced, I was in Lahore and I participated in his funeral, and even I got the opportunity to see Allama's face. Hakeem Khuda Bakhsh then told me that I personally saw that Allama Iqbal had a beard and Khuda Bakhsh was an eye witness to this. But it is very unfortunate that our societies' bigwigs didn't feel well with the issue of Hazrat Allama Iqbal-rua's beard, and upto some extent our own social downgrade is towards the way where we no more like beards to be displayed in pictures and especially for showing

The Difference between Attention of Shaikh and the Barkat

Translated Speech of His Eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah (Dated: July 23rd, 2011)

Salanah Ejtima (Dar-ul-Irfan, Munarah)

People who do Allah-swt's zikr are such kind of people for whom the Holy Prophet-saws has said; "Every person keeping their company would never be doomed." This beneficence which is extended to all the attendees regardless of their intentions without the knowledge of the zakereen is called Barkat. Attention of Shaikh is by definition, the concentration of focus by intention to infuse the seeker's heart with Divine Lights. Attention of Shaikh doesn't harm, cannot recover someone from illness or find a job for the seeker. The Shaikh or anybody in such matters can only pray to Allah-swt but whether it is the Shaikh or someone else, cannot interfere in the decisions of Allah-swt.

Remember, if someone is really a Shaikh and a Wali, then he will never like anything against the Will and decision of Allah-swt and he will always preach the commands Allah-swt has passed to mankind. Being a Shaikh doesn't mean that he has become the ruler of the fates of people who can dictate according to his own wishes. This is not the case, and it is absolutely wrong and amounts to Shirk if somebody believes that Attention of Shaikh has resolved his matters. One can even lose his faith while keeping such beliefs. Alternatively, it can be said that my matters were resolved due to my Shaikh's Barkat.

This is because Barkat is always extended by the Will of Allah-swt without the Shaikh being notified of anything, while attention and tawajjuh is intentional and the will of the Shaikh is involved in it. The example of Barkat has already been discussed in Hadith for the people who came to zikr gathering for a worldly business but Allah-swt promised forgiveness for them. Therefore, it should be understood that Barkat is always directly from Allah-swt and it could be said that due to the Barkat of a particular person, Shaikh or pious man resulted in solution to my matters.

On the other hand, tawajjuh or Attention of Shaikh in Tasawwuf means that the Divine Lights from the Qalb of the Shaikh are being reflected intentionally onto the Qalb of the seeker of Tasawwuf and that intentional focus of concentration upon the seeker's Qalb is called Tawajjuh or Attention.If a person has attended a gathering with a Shaikh or Wali even for a worldly matter, and later on he develops a desire to follow

Hazrat Ji-rua: 'It is as if a soldier goes to war leaving his weapon at home. I will provide the Bokhari Sharif but if your claim is not in it, then? Betting is not allowed for us, but since I am dealing with you, if the testimonial is found I will give you 100 Rupees and along with it I will make an announcement to renounce my religion, but if the proof is not found in Bokhari Sharif then you will have to give 100 Rupees and renounce your faith.'

Hazrat Ji-rua had this wager proclaimed and recorded publically. The Maulvi Sahib came back with a new stratagem and demanded that the Bokhari Sharif from Narang be brought.

Hazrat Ji rua reprimanded him: 'Was there some Prophet in Narang that the Bokhari has become his? Bokhari Sharif is from Madinah Munawwarah and is from the holy tongue of Allah's Messenger saws.'

When the Maulvi Sahib noticed that he was being badly beaten in front of a large crowd, conceding defeat in a way, he asked for some time so that Maulvi Ismail could be called in.

Hazrat Ji-rua answered, 'Call him as well.' The Manazara was postponed for some time.

When Maulvi Ismail came he was told that the Maulvi Sahib had accepted the challenge of renouncing his faith and to pay 100 Rupees, if according to his stance, the reference of folding the arms or not was not found in Bokhari Sharif. Hazrat Ji-rua demanded that Maulvi Ismail should now provide the evidence from Bokhari Sharif.

Maulvi Ismail replied: 'He is an ignorant idiot, should I also become like him?' Then turning to the Maulvi Sahib he berated him, 'How did you agree to this bet? This is not mentioned anywhere in the Bokhari Sharif.'

Hazrat Ji-rua rejoined immediately: 'Maulvi Sahib if you do not want to become a Sunni it is fine by me, but pay up the 100 Rupees. We will add it to the fund of the Anjuman.'

The Maulvi was compelled to hand over 100 rupees, which was his acceptance of defeat against Hazrat Ji rua and along with this the opponents lost face. Despite Maulvi Ismail's effort the Manazara could not carry on for much longer.

After this Manazara, the people from Balkassar and its adjoining areas became such admirers of Hazrat Ji-rua that they would invite him every year to take part in a Manazara held in the area. Many Manazaray were held here and the last one was held in 1956 in which Maulvi Ismail was his opponent, but after this Manazara he refused to ever stand against Hazrat Ji rua, who afterwards mostly delivered a reformation addresses, during his annual Jalsah there.

To be Continued

80 Rupees from his waistcoat pocket he placed it on the table) and continued: 'If the reading and meaning is correct this money will be your prize'.

Maulvi Sahib was in a quandary, realizing he was badly stuck. When he could not find any answer he said, 'These people brought me here only to make a speech about the dates of the birth and death of the Holy Prophet-saws, but there is no consensus even about these dates.'

Hazrat Ji-rua asked 'Is it a Fardh (obligatory statute) to know the dates of the Holy Prophet-saws's birth and death?'

Maulvi: 'It is a 'Fardh-e A'ain' (of the utmost importance)'.

Hazrat Ji rua. 'My contention is that even recognizing the persona of the Holy Prophet-saws is not a 'Fardh e A'ain' but recognizing the message of the Holy Prophet-saws is obligatory. Even the Quraish and the Jews recognized him-saws, so did all the Arabs. What is necessary is to accept and believe in the message of a Prophet. Where did you bring out the theory that knowing the date of birth and death of our Holy Prophet-saws is Fardh?'

Maulvi Sahib tried to change the subject and asked Hazrat Ji-rua: 'The five Salah that you offer; Prove them along with their timings from the Quran.

Hazrat Ji-rua: 'I thought you were an Alim but you are just an illiterate ignorant. I disagreed that knowing the birth and death dates of the Holy Prophet-saws were neither Fardh (a statute), nor Wajib (obligatory), in fact it is not even a Sunnah. As I refused to accept your claim it was your responsibility to support your statement with evidence, which you did not do. Now, if you refuse to accept the five daily Salah then it is my responsibility to provide the proof. Now, O.K tell me if a Shi'a refuses Salah is he a Kafir or a Muslim?'

Maulvi Sahib: 'Kafir'.

Hazrat Ji-rua promptly replied: 'Deny the five daily Salah so that I may supply you the proof'.

The Maulvi Sahib was once again reduced to silence. If he demanded proof from Hazrat Ji-rua it was necessary that he deny the Salah, and the denial would have made him a Kafir. Once again he tried to escape by changing the subject and broached the topic of keeping the arms folded or keeping them by the side in Salah.

'Hazrat Abu Bakr Siddiq rau folded his arms on his chest while praying as he said it kept his heart in control, Hazrat Umar Farooq rau folded them over his stomach to keep his stomach in control and Hazrat Usman-rau folded them below to control his Nafs; Hazrat Ali-rau, as he was free from all temptation left them by his side.'Hazrat Ji-rua: 'Prove your claim, because as such it is only a statement. In a Manazara you have to also provide documentary evidence.'

Maulvi Sahib: 'Bokhari Sharif.'

Hazrat Ji-rua: 'Show us the reference from Bokhari Sharif.'

Maulvi Sahib tried to extract himself from this situation: 'I don't have the Bokhari Sharif on me.

Hayat-e-Javidan Chapter 12

A Life Eternal (Translation)

FATIH AZAM

Where could they present the proof in response to Hazrat Ji rua's demand. There was abstraction (generality) in the verse of the Holy Quran, how could they prove any specification? (So the Kafir was left speechless). Their silence was acceptance of their defeat. Immediately the sky over Jhelum was rent with triumphant cries of 'Fatih Azam Zindabad!' and this famous Manazara came to an end but its details were recounted for a long time afterwards. Whenever Hazrat Ji-rua spoke about the Jhelum Manazara in his private gatherings, he would enjoy recounting the silence of Mullah Faiz and Mirza Ahmad Ali.

Manazara Balkassar

From the narrative of the Jhelum Manazara one can clearly discern a high degree of scholarship reflected in Hazrat Ji-rua's manner of reasoning. This was because his two opponents were well read Shi'a scholars. Contrary to this, in the Balkassar Manazara a unique style of address is noticed where instead of literary reasoning, he used his opponent's ignorance as evidence.

This was Hazrat Ji-rua' s first Manazara after Partition in which a vast crowd made up from the inhabitants of the famous town Balkassar and its 15 to 16 surrounding villages in Chakwal district was gathered under the canopy. While recounting his Manazara era, Hazrat Ji-rua mentioned the details of this Manazara many times to the amusement of his followers. In this Manazara the exchange that took place between Hazrat Ji-rua and the Shi'a speaker is presented in Hazrat Ji rua's own words.

The debate was opened by Hazrat Ji-rua asking his opponent a question. 'Maulvi Sahib, is the word Manazara, derived from 'Nazar' or 'Nazeer'? How would the word 'Manazara' be understood if it is derived from 'Nazar' and what would be the meaning if it is derived from 'Nazeer?' The Maulvi Sahib was accustomed to traditional question and answers. He got stuck on the unfamiliar ground of Grammar. In his confusion he blurted out one word and then the other, but he was unable to hide his ignorance. Hazrat Ji-rua astutely gathered from Maulvi Sahib's lack of scholarship that it would not be possible for him to read the Arabic script without the diacritical marks. Opening the text book 'Nehej al Balagha' and placing it before him, he asked, 'Read four lines from this book and explain the meaning' (Taking out

October 2011 Ziqaad 1432 A.H

MONTHLY
Al-Murshid

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى

He indeed has attained bliss who has cleansed Himself. And who remembers the names of his Rabb. And then prays.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تِرَةٌ وَ

مَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ تِرَةٌ

Narrated Abu Huraira (R.A.U): The Prophet (S.A.W) said that any person who sat in such a gathering where Allah was not remembered, then for him this would be the source of loss and regret. And any person who lay in bed to rest such, that he did not engage in Allah's Zikr (remembrance), then that lying down wil be a source of regret for him.

The existence of Islam does not stand in need of our support. It's protection is guaranteed by Allah Himself. Islam is not in danger, it is we who are in danger without Islam.

Hazrat Sheikh ul Mukaram
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PB/CPL #

فہرست کتب

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ ادارالعرفان منارہ ضلع چکوال

شیخ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان ؒ

1۔ تعارف (اردو)	15.00
2۔ تعارف (انگلش)	20.00
3۔ دلائل السلوک (اردو)	250.00
4۔ دلائل السلوک (انگریزی)	250.00
5۔ حیات النبی ﷺ	30.00
6۔ حیات برزخیہ (اردو)	200.00
7۔ حیات برزخیہ (انگریزی)	40.00
8۔ اسرار الحرمین	60.00
9۔ علم و عرفان (اردو)	25.00
10۔ علم و عرفان (انگریزی)	25.00
11۔ عقائد و کمالات علمائے دیوبند	30.00
12۔ سیف اویسیہ	35.00
13۔ تفسیر آیات اربعہ	40.00
14۔ الدین الخالص	200.00
15۔ ایمان بالقرآن	120.00
16۔ تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	200.00
17۔ تحقیق حلال و حرام	40.00
18۔ شکست اعدائے حسینؓ	35.00
19۔ [illegible]	20.00
20۔ حیات رسول ﷺ	15.00
21۔ الجمال والکمال	25.00
22۔ حیات طیبہ اول	600.00
23۔ حیات طیبہ دوم	500.00

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

1۔ ظہار راہ اول	150.00
2۔ ظہار راہ دوم	100.00
3۔ ارشاد السالکین اول	40.00
4۔ ارشاد السالکین دوم	25.00
5۔ لطائف اور تزکیہ نفس	15.00
6۔ دیار حبیب میں چند روز	20.00
7۔ نور و بشر کی حقیقت	15.00
8۔ کنز الطالبین	200.00
9۔ راہی کرب و بلا	20.00
10۔ رموز دل	60.00
11۔ حضرت امیر معاویہؓ	35.00
12۔ طریقت نسبت اویسیہ	250.00
13۔ تعلیمات و برکات نبوت	200.00
14۔ خطبات امیر	120.00
15۔ کنوز دل	250.00

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی (تفسیر قرآن)

1۔ اسرار التنزیل (اردو) چھ جلدوں میں (فی سیٹ)	2300.00
2۔ اسرار التنزیل (انگلش) پانچ جلدوں میں (فی سیٹ)	2000.00
3۔ اکرم التفاسیر (پنجابی) جلد اول۔ دوم۔ سوم (فی جلد)	270.00
(جلد چہارم)	370
(جلد پنجم)	300
(جلد ششم)	350
(جلد ہفتم)	470

پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب ؒ

1۔ انوار التنزیل	25.00
2۔ معراج مصطفیٰ ﷺ	35.00
3۔ اطمینان قلب	60.00
4۔ تصوف اور بیعت (اردو)	60.00
5۔ تصوف اور بیعت (انگریزی)	120.00
6۔ کس لئے آئے تھے (اردو)	25.00
7۔ کس لئے آئے تھے (انگلش)	25.00
8۔ [illegible]	40.00
9۔ عظمت صحابہؓ	10.00
10۔ ذکر اللہ (اردو)	15.00
11۔ [illegible]	25.00
12۔ [illegible]	30.00
13۔ [illegible]	20.00
14۔ قرآن حکیم اور رحمت عالم ﷺ	15.00
15۔ اخلاق اور ہماری زندگی	25.00
16۔ [illegible]	20.00
17۔ [illegible]	25.00
18۔ تصوف کی پہلی کتاب	50.00
19۔ تصوف کی دوسری کتاب	70.00
20۔ تصوف برائے [illegible]	100.00
21۔ [illegible]	25.00
22۔ اسلامی تہوار	10.00

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

1۔ [illegible] کورس	100.00
2۔ [illegible] کورس	150.00
3۔ [illegible] کورس	200.00
4۔ [illegible]	15.00
5۔ اسلام اور تہذیب جدید (اردو)	120.00
6۔ اسلام اور تہذیب جدید (انگریزی)	120.00
7۔ طریق السلوک [illegible]	300.00

ملنے کا پتہ

اویسیہ کتب خانہ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور